رباعیات

عمر خیام پر ایک تحقیقی نظر

علامہ عبدالباری آسی (مرحوم)

یکے از مطبوعات عبدالباری آسی اکاڈمی ـ لکھنؤ

مصنف .. .. .. علامہ عبدالباری آسی (مرحوم)
ناشر .. .. .. عبدالباری آسی اکاڈمی۔ الٰہ آباد
بہ اہتمام .. .. .. ساجد صدیقی ★ وا آلِ آسی
طابع .. .. .. شاہی برقی پریس۔ لکھنؤ
سرورق .. .. .. جے۔ حسن آرٹسٹ۔ لکھنؤ
پہلی اشاعت .. .. جون ۱۹۶۶ء

قیمت

تین۳ روپے پچاس۵۰ پیسے (علاوہ محصول ڈاک)

سول ایجنٹ

مکتبہ دین وادب۔ کچا احاطہ
لکھنؤ

مصنّف ایک نظر میں

ام .. .. عبدالباری ابن مولوی شیخ حسام الدین

خلص .. .. .. آسی اُلدنی

لمذ .. .. داغ دہلوی ★ ناطق گلاؤٹھوی

طن .. .. اُلدن تحصیل ہاپوڑ (ضلع میرٹھ)

اریخ پیدائش ۱۸۹۳ء

اریخ وفات .. .. ۱۰/ جنوری ۱۹۴۶ء

تصانیف

ذکرہ خندۂ گل

ذکرۃ الخواتین

سائر (مجموعہ رباعیات)

باعیات آسی

کلیات میر (مقدمہ و ترتیب)

کلیات سودا ″

کلیات نظیر ″

یوان درد ″

کمل شرح دیوان غالبؔ

شرح کلام غالبؔ

رزا غالب کی شوخیاں

رح گلستاں و بوستاں

کرہ معرکۂ سخن

سندر شانتا (ناول)

قصہ پھول دتی ″

مُلّا زاغلول (مزاحیہ)

عیار فقیر ″

سائنس کے عجائبات

مینول خط شکست

دو نایاب بیاضوں کا انتخاب (زیر طبع)

لغات تذکیر و تانیث

دیوان غزلیات

مقدمات آسی

مقالات آسی

ترجمہ فرہنگ آنندراج

حرفِ آغاز

از ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

عمر خیام (غالباً وفات ۵۱۷ھ / ۲۳-۱۱۲۴ء) کی رباعیاں عرصہ سے ہما
شاعری کا ایک انمول ذخیرہ سمجھی جاتی رہی ہیں، بالخصوص جب سے فنز جی
نے اُن کا انگریزی میں ترجمہ کر کے یورپ و امریکہ والوں کے سامنے پیش کیا
اُن کی مقبولیت کی تو کوئی انتہا نہیں رہی اور اب تو ایران میں بھی اُس کے
باتصویر اور خوبصورت اڈیشن چھپ چکے اور چھپ رہے ہیں اور ایک دوسر
تحفتہً بھیجے جاتے ہیں۔ لیکن ایران قدیم میں عمر خیام نہ کبھی ایک ش
کے طور پر پہچانا گیا نہ مانا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم سے قدیم تذکروں میں بھی عمر خ
کا کہیں بحیثیت شاعر ذکر نہیں ملتا۔ حد یہ ہے کہ نظامی عروضی سمرقندی کی
چہار مقالہ (تصنیف ۵۵۲ھ) جو ایرانی تمدن و تہذیب کی سب سے پہلی د
ہے اور فارسی نثر کی سب سے پہلی کتاب اور اس پر مزید طرہ یہ کہ خود نظامی عمر خ
کا شاگرد بنتا ہے اس کتاب میں بھی عمر خیام کا ذکر شعرا کے زم
نہیں کیا گیا ہے بلکہ منجموں کے گروہ میں اُس کو شمار کیا ہے اور نجوم۔
اخذ گروہ پیش گوئیوں کے متعلق اُس کے دو واقعات بھی درج کیے ہیں

ذکروں کو دیکھیے تو فارسی کے سب سے قدیم تذکرہ لباب الالباب (۶۱۸ھ) میں تو اس
ا نہیں ہے۔ دوسرے قدیم تذکرۃ الشعرا دولت شاہ (۸۹۲ھ) میں تو
نام صرف ایک شاعر شاہپور اشہری کے مورث کی حیثیت سے ضمناً آگیا ہے۔ تاریخ کی
ں کو دیکھیے تو سب سے پہلے اس کا ذکر مرصاد العباد (۱۲۲۳ء) مصنفہ نجم الدین رازی
تا ہے۔ اس میں عمر خیام کو ایک بدنصیب فلسفی ملحد اور مادہ پرست کے نام
کیا گیا ہے اور اس کے الحاد کے ثبوت میں اس کی دو رباعیاں بھی درج کر دی
ہیں۔ القفطی کی تاریخ الحکما (تالیف مابین ۱۲۲۵ و ۱۲۵۰ء) میں عمر خیام کو
ن فلسفہ کا ماہر بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض صوفیہ حضرات نے اس کے
م کے ظاہری معنوں کو قبول کر کے صوفیانہ شاعری میں ان کو شمار کیا ہے اور
مجلسوں میں ان پر بحث و مباحثہ بھی کرتے ہیں لیکن اگر اس کے اشعار کے
ی معنی پر غور کیا جائے تو وہ ایک پابند شرع کے لئے کٹ کھنے سانپوں کے
زہر بھی معلوم ہونگے۔ علم ہیئت اور فلسفہ میں اس کو بے مثال بتایا ہے اور
لکھا ہے کہ وہ بہت آزاد خیال تھا اور مصلحتاً اپنی زبان کو لگام دیے رہتا تھا۔
یں اس کی ایک عربی نظم کے چار شعر بھی دیدیے ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی ہی کی
ور مشہور تاریخ نزہت الارواح (مولفہ الشہرزوری) میں جو عربی اور فارسی
وں زبانوں میں لکھی گئی تھی، عمر خیام کا حال ذرا تفصیل سے دیا ہے۔ اس
بتایا گیا ہے کہ عمر خیام بوعلی سینا کا پیرو تھا لیکن بہت بدمزاج اور غیر
ن نواز۔ اس کا حافظہ نہایت قوی تھا اور عربی زبان پر اسے کامل عبور
ل تھا۔ قرآن کی قراءت سات طریقوں سے کر سکتا تھا۔ مشہور فقیہ ابو حامد الغزالی

اس سے نفرت کرتے تھے ایک دفعہ ان سے بحث بھی ہوئی تھی سلاطین میں سلطان سنجر
تھا لیکن ملک شاہ اسکی قدر کرتا تھا اس کے متعلق آسی تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر خیام بو علی سینا کی ت
وہ باب پڑھ رہا ہے جہاں وحدت و کثرت کی بحث ہے۔ ایک مقام پر پہنچ کر
فقرے کہے "اے باری تعالیٰ میں نے تجھے صرف اپنی لیاقت کے موجب جانے
ہے اسلئے مجھے معاف کر کیونکہ حقیقی معرفت مجھے حاصل ہو سکی صرف اتنی ہی
اسکے بعد اسکی جان نکل گئی۔ آثار البلاد (۱۲۶۳ء و ۱۲۷۵ء) میں بھی عمر خیام کا
کے ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کے مورخین میں سے رشید الدین فضل اللہ کی مشہو
جامع التواریخ میں اس کا حال تفصیل سے لکھا ہے لیکن اسکو حسن صباح اور نظام
کا ہم جماعت بنا کر ایک قصہ درج کر دیا ہے جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔

موجودہ زمانے میں سب سے اہم تحقیق ایک روسی محقق پروفیسر ویلنٹین ژوکوو
۱۸۹۷ء میں عمر خیام اور اس سے منسوب آوارہ رباعیوں پر تحقیقی کام کیا تھا۔ یہ مقا
برگ کی یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر بیرن وکٹر روزن کی پروفیسری کی پچیس سالہ یاد
پر پیش کیا گیا تھا۔ اسی مقالہ کو ۱۹۰۰ء میں ڈاکٹر ڈینی سن راس (پرنسپل محمڈن مد
نے انگریزی میں ترجمہ کر کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے میگزین میں چھپوایا تھا۔ یہ مقال
زندگی اور رباعیوں کے متعلق ابتک حرف آخر سمجھا جاتا رہا ہے۔ اسمیں یہ بھی بتا
خیام سے منسوب رباعیوں میں سے ۸۲ رباعیاں تو دوسروں کے کلام میں مل جاتی ہے۔ عمر
رباعیات کا سب سے قدیم نسخہ ۸۶۵ھ مطابق ۱۴۶۰ء یعنی خیام کی وفات کے کوئی تی
سو برس بعد کا لکھا ہوا بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے اسمیں صرف
ہیں۔ بعد کو اس میں اور اضافے ہوتے گئے۔

مولانا عبدالباری آسی مرحوم (جو لکھنو کے مشہور ادیبوں میں سے تھے۔ و
ایک شاعر بھی تھے نقاد اور محقق بھی) نے راس صاحب کے مندرجہ بالا انگریزی ترجمہ
استفادہ کیا ہے اور خود اپنے طور پر بھی تحقیق کر کے یہ مقالہ "رباعیات خیام پر ایک تحقی
کے عنوان سے رسالہ اردو کے شمارہ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں شائع کروایا تھا اور ان کا
تھا کہ اس موضوع پر اور کچھ بھی لکھیں گے لیکن افسوس کہ وہ اپنا یہ ارادہ پور
بہرحال اب یہ پُر مغز و معلومات مقالہ ان کے صاحبزادے والی آسی صاحب
کی صورت میں شائع کر رہے ہیں امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اسے وقعت کی نظ
دیکھا جائے گا ———

۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء

باعیات

خیام پر ایک تحقیقی نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم عمر خیام کے علم و فضل کا قائل نہ ہونا ہر تذکرہ نویس نے ایک اخلاقی کفر سمجھا ہے۔ اور اسی وجہ سے تمام محققین کا متفقہ اجماع ہے کہ وہ فلسفہ و حکمت۔ ریاضی۔ طب۔ نجوم ہی پر حاوی نہ تھا۔ بلکہ اس کی عام معلومات علمیہ فقہ۔ تفسیر۔ علم تجوید۔ معنی و بیان میں ایسی ہی دایرہ و سایر تھی جیسی کہ فن خاص ریاضی و نجوم میں۔ اس سے اگر کسی مسئلہ خاص کا کسی بارے میں ذکر آتا تھا تو وہ اپنی ہمہ دانی کے ثبوت میں علوم کے دریا بہا دیتا تھا۔ اور سامع کو اس کا حفظ و ضبط دشوار ہوجاتا تھا۔ ایسے امام فن۔ ایسے جوہر قابل کے لیے شعر و شاعری کا صحیح ذوق یا خود اس کا شاعر ہونا کوئی ذریعہ امتیاز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کی دون مرتبت کا مترادف ہے اور کیا عجب ہے کہ اسی سبب سے اس کے شاگرد اس کے معاصرین اس کے شاعرانہ کمال کے بیان کو ضروری چیز نہ سمجھے ہوں۔ جیسا کہ نظامی عروضی اور ابوالحسن بیہقی نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور نظامی عروضی باوجود شاگرد ہونے کے اس کو صرف نجومی کہہ کر رہ گئے ہیں۔

خیام کی مستقل اور جید تصنیفیں دوسرے فنون میں موجود ہیں۔ جن کی فہرست یہ ہے:-

عمر خیام کی تصانیف (۱) رسالہ مکعبات (۲) رسالہ جبر و مقابلہ (۳) رسالہ شرح ما اشکل من مصادرات اقلیدس (۴) زیج ملک شاہی (۵) رسالہ مختصر در طبیعات (۶) میزان الحکم (۷) رسالہ کون و تکلیف (۸) رسالہ فی کلیات الوجود (۹) رسالہ موضوع علم کلی و وجود (۱۰) رسالہ کلیات الوجود (۱۱) رسالہ اوصاف یا رسالہ الوجود (۱۲) عربی اشعار

مگر یہ سب گم شدہ جواہر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور سوائے اس کے بعض بعض مشہور محققین نے علیحدہ علیحدہ ان کا ذکر اپنے اپنے مصنفات میں کیا۔ مجموعی حیثیت سے کہیں ان کا وجود نہیں تھا۔ علم کی روشنی پھیلنے پر کچھ کتابیں اس زمانہ میں ملیں جن میں سے کئی ایک چھپ گئی ہیں جیسا کہ دار المصنفین اعظم گڈھ سے ۱۹۳۰ء میں کئی رسالے خیام کے ذیل میں ایک مجلد میں طبع ہو چکے ہیں اور جستہ جستہ اس سے پہلے بعض دوسرے مطابع میں بھی بعض کتابیں شایع ہوئیں۔ بعض آج بھی نایاب ہیں۔ مگر علم و فن کا اس حادثہ فاجعہ پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے وہ کم ہے کہ خیام کی شہرت ان کی ان معرکہ آرا تصانیف سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ رباعیات ان کا سرمایۂ افتخار بنی ہوئی ہیں۔ جن کے متعلق ابھی تک یہ بھی فیصلہ نہیں ہو سکا کہ وہ اس مجموعہ کا مالک ہے یا نہیں اور ہے تو کس جزو کا۔

عمر خیام کی رباعیات کا مطالعہ کرنے والے نقاد دبی زبان سے ہمیشہ اس کے معترف رہے کہ ان کی رباعیات میں آمیزش ہے اور یہ سونا مغشوش ہے

ضرور ہوگیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بتانے والے بہت کم پیدا ہوئے کہ یہ آمیزش کہاں سے ہوئی اور کیوں ہوئی۔ اسی پر ہم کو کچھ کہنا اور لکھنا ہے۔
ایک ایسے شخص کو جو رباعیات عمر خیام کے متعلق بحث کرتا ہو مجبوری ہے کہ وہ یہ بھی بحث کرے کہ رباعی کب شروع ہوئی اور فارسی میں اس کا دور دورہ کب ہوا لہذا مختصر طور پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ غزل اور قصاید و مثنوی وغیرہ اصناف سخن سے رباعی پہلی چیز ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کسی صنف سخن کا پتہ ہی نہ تھا مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ترتیبی شہرت اور کمال دوسری چیزوں کو حاصل نہ ہوا تھا کہ رباعی عالم وجود میں آئی۔
رباعی کی ابتدا اس کے وجود میں آنے یا اس وزن کے دریافت ہونے کے متعلق کئی قصے مشہور ہیں ایک یہ کہ غزنین یا سجستان کے کسی شہر میں کچھ بچے اخروٹوں سے گولیوں کا کھیل کھیل رہے تھے۔ ایک اخروٹ یا ایک گولی گجوجچی سے دور تھی لڑھک کر اس کی طرف جانے لگی بچہ خوشی سے اُچھل پڑا اور بیساختہ اس کی زبان سے (غلطاں غلطاں ہمی رود تالب گو) نکل گیا۔
دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ یہ لڑکا خاندان صفاریہ کے بانی یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ ھ کا بچہ تھا۔ یعقوب خود شعر و شاعری کا ذوق رکھتا تھا۔ وہ کھڑا ہوا اس واقعہ کو دیکھ رہا تھا اور جو کچھ بچے نے کہا وہ سُن رہا تھا۔ اس کو یہ وزن پسند آیا سوچا کہ یہ بحر کونسی ہے تو اس وجہ سے کہ اسوقت تک یہ وزن رائج نہ تھا اس لیے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس لیے اپنے درباری شعرا ابو دلف عجلی اور ابن الکعب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کون سی بحر ہے۔ اُنھوں نے غور و فکر کے

بعد بتایا کہ یہ بحرِ ہزج کی ایک شاخ ہے ۔ پھر انھوں نے اسی پہ تین مصرع اور لگا کر پورے دو شعر کر دیے اور دوبیتی نام رکھا اسی طرح اور محققین نے بھی کچھ توجیہات بیان کی ہیں کہ اس کا نام رباعی کیوں ہوا ۔ مگر دولت شاہ سمرقندی نے یہ بھی لکھا ہے "تا فضلا دوبیتی را نکو ندیدند گفتند کہ ایں چہار مصرعی است رباعی نشاید گفتن" اور یہی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ۔ اس کو ترانہ قول، چہار بیتی وغیرہ بھی کہا گیا مگر چونکہ یہ بحث ہمارے مضمون سے دور ہے اس لیے اس کو طول دینا فضول ہے ۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ رباعی کا دور اگر متذکرہ بالا روایت کے مطابق شروع ہوا تو بھی اس کے شروع ہونے خیام کے زمانے تک دو ڈھائی سو برس ہو چکے تھے اور یوں تو عرب کی شاعری میں بھی رباعی کا نام لیا گیا ہے ۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ عرب کی شاعری میں رباعی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ وزن بحرِ ہزج سے مستخرج ہے اور وہ چار اجزا سے مرکب ہے ۔ حالانکہ عرب کی رباعی فارسی کے مذاق سے بہت دور ہے اور اسے رباعی ماننے کو کم از کم میرا جی تو نہیں چاہتا ۔ پھر بھی اگر اس کو مان لیا جائے تو خیام کے زمانے تک رباعی کی پیدائش کی مدت اور دراز ہو جائے گی ۔

خیام کا سنہ ولادت اور وفات، اتفاق کی بات ہے کہ اتنے بڑے مشہورِ زمانہ حکیم کا صحیح طور پر نہ سنہ ولادت ہی معلوم ہے اور نہ سنہ وفات کا تقرر ہوا ہے مگر قیاسات کی بنا پر مولوی سید سلیمان صاحب

ندوی نے ان کا سنہ ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ ہجری مقرر کیا ہے[1] اور سنہ وفات ۵۱۵ سے ۵۳۰ھ[2] تک کوئی سال۔ اس طرح سے اس کی عمر کم از کم ۷۵ برس اور زیادہ سے زیادہ ۹۰ برس کی مانی جا سکتی ہے۔ ۷۵ برس ہوں یا ۹۰ برس بہر حال یہ عمر طویل ہی کہی جائے گی اور اس میں حقیقتاً کام کرنے والا آدمی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ چنانچہ خیام نے بھی اپنی قابلیت کی اپنے مذاق کی بنا پر بہت سی مثالیں اہلِ عالم کے سامنے پیش کر دیں۔ جن کی ایک فہرست تصانیف ہم اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں مگر افسوس کہ اس کی شاعری کا مسئلہ ان تصانیف اور اس کے فضل و کمال کے شمار و اعداد پیش کرنے کے باوجود بھی ویسا ہی اُلجھا ہوا رہ گیا۔ جس پر ایک تفصیلی بحث اور غایر نگاہ کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا رباعی خیام سے مدتوں پہلے کی چیز ہے۔ اور کئی ایک شاعر ایسے گزرے جن کی شاعری اگر مستقلاً رباعی کی پابند نہ بھی رہی ہو پھر بھی یہ صنف ان کے یہاں اور چیزوں سے زیادہ موجود تھی۔

بایزید بسطامی: سب سے پہلے حضرت بایزید بسطامی کا نام آتا ہے۔

---

[1] خیام مطبوعہ ۱۹۳۳ء مطبع معارف اعظم گڑھ صفحہ ۵۹ سطر ۸۔ و صفحہ ۶۰ و صفحہ ۵۷ خیام۔

[2] بعض تذکروں میں ۵۱۸ھ پایا گیا۔

جن کے نام سے بعض رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض محققین نے شک کیا ہے کہ حضرت بایزید نہ شاعر تھے نہ انھوں نے رباعیاں کہی ہیں۔ مگر بہر حال مجمع الفصحا میں تین رباعیاں ان سے منسوب کی گئی ہیں۔ اور تذکرہ حسینی میں بھی ان کے نام سے ملتی ہیں۔ تذکرہ صبح گلشن میں دو رباعیاں ان سے منسوب کی گئی ہیں۔ آپ کا زمانہ وفات ۲۳۴ھ یا ۲۶۱ھ یا ۲۶۲ھ ہے۔ اور حسب امید اُن کے یہاں جس قدر بھی رباعیاں ہیں وہ مذاق تصوف میں ہیں یا بعض اخلاقی اور واعظانہ انداز ہے۔

رودکی دوسرا وہ شاعر ہے جس نے اور اصناف کے ساتھ رباعیاں بھی کہیں، رودکی جو فارسی شاعری میں ابوالآبا کا درجہ رکھتا ہے۔ اور جس کی بدیعہ نگاری اہل تذکرہ میں مسلم ہے۔ اہل تذکرہ متفق ہیں کہ یہ ۳۰۴ھ میں پیوند خاک ہوا۔ مگر مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے ۳۲۹ھ سال وفات بتاتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ وفات کا سنہ مشہور غلط ہے۔ اس کے دیوان مطبوعہ ایران میں رباعیاں اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں اور پھر چونکہ وہ ایک درباری اور دنیادار شاعر تھا اس لیے اس کے کلام میں سبھی قسم کا کلام ہے اور یہی رباعیوں میں ہے۔ عشقیہ حکیمانہ اخلاقی۔ خمریات یہ تمام رنگ ملے جلے ہوئے ہیں۔ جیسی ضرورت داعی ہوئی ہے ویسا کہہ دیا ہے۔ کوئی خاص رنگ نہیں۔ البتہ مدح گستری کا جال ذرا زیادہ بچھا ہوا

ہے۔ اتنا کہنا اور رہ گیا کہ پہلے لوگ ہر چار مصرع کی چیز کو خواہ وہ قطعہ ہی ہو رباعی کہہ دیتے تھے۔ اس کے دیوان میں بھی یہی ہوا ہے رباعیوں کے وزن خاص کی رباعیاں کم تعداد میں ہیں اور قطع بہت زیادہ۔ پھر بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رباعیوں کے نام سے یہ سب کچھ کہا گیا اگرچہ اب ان سب کو رباعیات کے تحت میں نہ لایا جا سکے۔ یا پھر چھاپنے والوں نے یہ بدعت کی کہ کچھ نہ کچھ لکھ گئے۔ رودکی کے بیشتر حصۂ کلام کو بعضی حکیم قطران کے کلام میں مخلوط بتایا جاتا ہے۔ اور حکیم مذکور کا زمانہ سو برس قریب قریب رودکی کے بعد ہے۔

ابونصر فارابی، تیسرا شخص ابونصر فارابی المتوفی ۳۳۹ ھ ہے اس کے ساتھ بھی بعض رباعیاں منسوب ہیں اور تذکروں میں جستہ جستہ پائی جاتی ہیں۔ ان کی رباعیاں وہی حکیمانہ رنگ کی ہیں۔ جن میں حکمت۔ فلسفہ موعظت سب ہی کچھ ہے۔ اور در اصل ایک حکیم یا صوفی یہی کہہ بھی سکتا ہے۔ مگر چونکہ سوائے بعض تذکروں کے اور کوئی دلیل اس کے رباعی گو ہونے کی نہیں اس لیے اس کی بھی مشتبہ حالت ہے۔

ابوشکور بلخی، چوتھی صدی کا ایک شاعر ابوشکور بلخی بھی ہے۔ تذکرہ لباب الالباب عوفی میں اُس کے نام کی بھی ایک رباعی ملتی ہے۔

شمس المعالی کی بھی بعض رباعیاں تذکرہ لباب الالباب عوفی میں درج کی گئی ہیں جو عشق اور خمریات میں کہی گئی ہیں۔ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر المتوفی ۴۰۳ھ دیلمی بادشاہ تھا جو ۳۶۶ ھ میں تخت حکومت

پر بیٹھا۔ اس کی بعض تصانیف مصر میں طبع بھی ہو گئی ہیں۔
عنصری المتوفی ۴۳۱ھ کے یہاں بھی رباعیاں ہیں جو کچھ واقعات حالیہ اور کچھ حسن و عشق کے ہنگاموں پر منحصر ہیں۔ مگر ان میں استادی ہو تو ہو کوئی خاص مزا اور لطف نہیں ہے۔
عسجدی جس نے ۴۳۲ھ میں وفات پائی۔ بہت سنبھل کر کہنے والا ہے اور ان کی رباعیات میں عشق مجازی و حقیقی کی آمیزش نے ایک حسن خاص پیدا کر دیا ہے جو اس کے دوسرے معاصرین کے یہاں نہیں۔
شیخ بوعلی سینا، حکیم شیخ بوعلی سینا کی رباعیاں بھی مشہور ہیں اور بعض بعض سفینوں اور بیاضوں میں ملتی بھی ہیں۔ ڈاکٹر ایتھے ETHE نے ۱۸۷۵ء میں ان کی بارہ رباعیاں جمع کر کے چھپوائی تھیں۔ ان میں شاعرانہ اور حکیمانہ و ظریفانہ خیالات کی آمیزش ہے اور کہیں ایسے خیالات بھی ہیں کہ متشرع لوگ ان کو پسند نہیں کرتے۔

شیخ ابوالحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ کی بھی رباعیاں ملتی ہیں۔ مگر ان کی بعض رباعیوں میں باباطاہر کی طرح پہلوی کی آمیزش ہے اور بعض میں نہیں۔ اس واسطے جن میں آمیزش نہیں ہے ان کو بہ نظر شک دیکھا جاتا ہے۔ اور محققین کو ان کی طرف منسوب کرنے میں باک ہوتا ہے۔ پھر بھی ان کی طرف نسبت دی گئی ہے۔
باباطاہر ہمدانی بھی رباعی گو شاعر ہیں۔ مگر

زبان دیہاتی ہے خیال عاشقانہ زیادہ ہیں ان کی رباعیوں کا ایک چھوٹا سا مجموعہ میرے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔ نامانوس زبان کی وجہ سے پڑھتے ہوئے بھی اُلجھن ہوتی ہے۔ ان کا انتقال ۴۱۰ھ میں ہوا۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر بھی رباعیوں کے بادشاہ تھے۔ ان کی زیادہ رباعیاں عارفانہ ہیں جن کا چھپا ہوا ایک مجموعہ بھی مل جاتا ہے۔ ان کا انتقال ۴۴۰ھ میں ہوا ان کی رباعیوں میں سوز و ساز کی وہ کیفیت ہے کہ دوسروں کے یہاں نہیں۔

علی بن حسن باخرزی المتوفی ۴۶۷ھ ان کی رباعیوں کا ایک مجموعہ موجود تھا جو انھوں نے خود طرب نامے کے نام سے موسوم کیا تھا۔ ان کی رباعیات میں عاشقانہ واردات۔ مستانہ کیفیات۔ رندی و لااُبالی پن کے خیالات اور کہیں کہیں اخلاقی اور واعظانہ انداز پایا جاتا ہے۔ اس کا ایک تذکرہ بھی ہے اسی میں بتایا ہے کہ اس کا ایک دوست محمد بن ابی نصر ہے جس کی رباعیاں بھی اسی میں موجود ہیں۔

شیخ عبداللہ انصاری، ابواسمٰعیل شیخ عبداللہ انصاری المتوفی ۴۸۱ھ مشہور رباعی گو صوفی تھے ان کی رباعیاں اخلاقی۔ عارفانہ اور عبرت انگیز ہیں۔

امام محمد غزالی کی بھی کچھ رباعیاں تذکروں میں منقول ہیں اگرچہ وہ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ مگر ان کے وجود سے انکار

نہیں کیا جا سکتا اور آپ کے علم و فضل کو دیکھتے ہوئے رباعیات کا آپ کے یہاں پایا جانا کچھ تعجب انگیز نہیں۔ ان کی رباعیات میں حکیمانہ فلسفیانہ۔ رندانہ انداز ہے۔ آپ کا ۵۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

امام احمد غزالی کی بھی رباعیاں تذکروں میں موجود ہیں یہ امام محمد کے بھائی تھے۔ آپ کی وفات کا سنہ ۵۲۰ھ ہے۔

یہی وہ رباعی گو۔ حکیم۔ صوفی اور شاعر ہیں جن کا خیام سے پہلے یا خیام کے دور میں پتہ چلتا ہے۔ اور جن میں سے بعض کی زیادہ تعداد میں اور بعض کی کم تعداد میں رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ اور لوگ بھی باقی ہوں جو حالت گمنامی ہی میں تمام ہو گئے ہوں اور جن کے ساتھ خاک نے ان کے کارناموں کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی صرف بعض رباعیاں بروئے کار آئی ہوں اور زبانی شہرت دنیا میں پھیل گئی ہو۔ مگر بہت سی کائنات گنج مدفون بن کر رہ گئی ہو۔ اس واسطے کہ اس وقت نہ تو اشاعت کے صحیح سامان تھے۔ نہ پریس تھے نہ دوسرے آلات نشر۔ زیادہ سے زیادہ زبانی شہرت پر اعتبار کی بنا تھی۔ ورنہ کتابوں کی نقل جو مصنف کے دور حیات میں دس بیس سے آگے بڑھنا غیر ممکن تھی، کسی کی تصنیف کا نام مشہور ہو جانا ہی بڑا کمال اور بڑا کام تھا۔ اسی لیے بہت سے ماہر اور کامل مصنفوں کی اعلیٰ تصانیف کو تو گوشۂ گمنامی سے نکل کر زبانوں پر آنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔

ان سب رباعی گو شعرا کی رباعیوں کو دیکھنے کے بعد ذرا خیام کی رباعیات پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجیے کہ آج ہم کو اس کے مجموعے بارہ سو رباعیات سے پانچ ہزار تک پر مشتمل ملتے ہیں۔ تھوڑی سی تشریح تعداد آپ کو ذیل کے نسخوں کی تشریح اعداد رباعیات سے معلوم ہو سکے گی۔

(۱) فٹز جیرالڈ نے ۵۸۔۱۸۶۰ء میں بے حد کوشش اور چھان بین کے بعد جو نسخہ شایع کیا اس میں رباعیات کی تعداد صرف پچھتر تھی۔ اور اسی طرح پیرس کے ایک نسخہ منقولہ میں جو ۹۳۷ھ کے مخطوطہ سے نقل ہوا رباعیوں کی تعداد پچھتر تھی۔

(۲) ایک قدیم ترین نسخہ جو باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں محفوظ ہے اور جو ۸۶۵ھ یعنی ۳۴۸ سال بعد وفات مصنف لکھا گیا اس میں ۱۵۸ رباعیاں ہیں۔ اسی نسخہ کو ایڈورڈ ہیرن ایلن نے ۱۸۹۸ء میں عکس لے کر شایع کیا تھا۔ فریڈرک روزن کے مطبوعہ نسخہ میں غلطی سے رباعیوں کی تعداد ۱۸۵ چھپ گئی ہے۔

(۳) فان ہوحر جرمنی کے زبردست مستشرق نے اپنے ایک نسخہ کی بابت لکھا ہے کہ اس میں دو سو رباعیاں ہیں۔

(۴) موسیو نکولس فرانسیسی کانسل مقیم رخت نے ۱۸۶۷ء میں جو نسخہ پیرس سے شایع کیا اس میں رباعیوں کی تعداد ۴۶۴ ہے۔ یہ نسخہ فٹز جیرالڈ کے نسخے کے ایک سال بعد شایع ہوا۔

(۵) بائبلو تھک نیشنل کے ایک نسخہ میں جو ۱۵۲۸ء کا لکھا ہوا ہے

رباعیوں کی تعداد ۳۴۹ ہے۔

(۶) وہائن فیلڈ نے جو نسخہ ۱۸۸۳ء میں شایع کیا اس میں پانچ سو رباعیاں ہیں۔

(۷) جان پاین کے نسخے میں رباعیوں کی تعداد ۸۴۵ ہے۔

(۸) کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے نسخے میں ۸۰۱ رباعیاں ہیں۔

(۹) ڈاکٹر اسپرنگر کا بیان ہے کہ اُنھوں نے لکھنؤ کے ایک نسخہ میں چار سو رباعیاں دیکھیں۔

(۱۰) کلکتہ سے جو ایک نسخہ ۱۸۳۶ء میں شائع ہوا اس میں ۴۳۸ رباعیاں ہیں مگر ضمیمہ کے طور پر اس میں ۱۵۴ رباعیاں اور بھی شامل کی ہیں۔

(۱۱) ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک نسخہ میں ۵۱۶ رباعیاں ہیں۔

(۱۲) بانکی پور پٹنہ کے ایک نسخہ میں ۶۰۴ تعداد بتائی گئی ہے۔

(۱۳) بابو گوری پرشاد سکسینہ صاحب لکھنؤ کو ایک نسخہ دستیاب ہوا جو ۸۲۶ھ کا لکھا ہوا ہے اس میں رباعیات کی تعداد ۲۰۶ ہے۔

(۱۴) محمد سلیم صاحب (لاہوری) کے نسخے میں جو ۸۶۸ھ کا لکھا ہوا ہے رباعیات کی تعداد ۳۴۱ ہے۔

(۱۵) سید نجیب اشرف ندوی کا ایک نسخہ جو دسیتہ پٹنہ کی لائبریری میں محفوظ ہے اور ۹۱۱ھ کا مخطوطہ ہے اس کا ایک صفحہ اول کم ہے

اور مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے اسی سے نقل لے کر ۱۳۵۱ھ میں اپنا نسخہ شایع کیا ہے اس میں ۲۰۶ رباعیاں ہیں۔ جس میں سے ۲۰۵ بہ وجہ ایک رباعی کے گم ہونے کے نقل ہو کر شایع ہوئیں۔

(۱۶) ہالینڈ میں ایک ترجمہ شایع ہوا مگر اس میں چند رباعیاں تھیں معلوم نہیں نسخہ منقول عنہ میں اسی قدر رباعیاں تھیں یا بقیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔

(۱۷) مس - جی - سی - ای کیڈل نے ۱۲۰۰ رباعیات کا ایک نسخہ جمع کر دیا تھا افسوس کہ اس کا سنہ معلوم نہیں ہو سکا۔

(۱۸) محمد شفیع الدین خاں مراد آبادی ممبر ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے ۱۹۰۷ء میں ایک نسخہ اس دعوے کے ساتھ شایع کیا کہ میرے پاس نہایت معتبر دو انگریزی نسخے موجود ہیں انھیں سے رباعیوں کو فارسی ترجمہ کر کے شایع کیا جاتا ہے۔ اس میں صرف ۱۷۲ رباعیاں ہیں۔

(۱۹) منشی جے نراین ورما نے ۱۹۰۵ء میں لکھنؤ مطبع جے نراین ورما سے ایک نسخہ شایع کیا اس میں رباعیات کی تعداد ۵۰۰ ہے۔

(۲۰) ڈاکٹر فریڈرک روزن کے نسخے میں ضمیموں کے علاوہ ۳۲۹ رباعیاں ہیں اس کے علاوہ ایک ضمیمہ ۶۲ رباعیوں کا اور ایک عکسی ضمیمہ میں ۱۲ رباعیاں شامل ہیں یہ نسخہ ۱۳۰۴ شمسی میں کادیانی پریس

برلن سے طبع ہوا۔

(۲۱) پیام خیام ہیں جو رباعیات عمر خیام کی شرح ہے اور ڈاکٹر سعید احمد بریلوی ایم۔ بی۔ ایس نے مع مسٹر ظفر قریشی بی۔ اے کے مقدمہ کے مصور کراکے محبوب المطابع برقی پریس سے شایع کیا ۵۶۸ رباعیاں ہیں۔

(۲۲) مولوی جلال الدین صاحب زینبی نے جو نسخہ مع شرح انوار احمدی پریس الہ آباد سے شایع کیا اس میں ۹۰۸ رباعیاں ہیں۔

(۲۳) مطبع نولکشور میں جو نسخہ ۱۳۳۲ھ میں شایع ہوا اس میں ۷۷۰ رباعیاں ہیں۔

(۲۴) تذکرہ رباعیات عمر خیام شرح ولی اللہ صاحب بی۔ اے میں جو ۱۹۲۳ء میں شایع ہوا تقریباً ۶۰۰ سو رباعیاں ہیں۔

اس قدر نسخوں کی تعداد رباعیات کے دیکھنے سے صاف صاف یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کے کلام میں یقینی دوسروں کا کلام شامل ہوگیا۔ اور وہ خالص نہیں رہا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے صرف اپنے خیال اور اپنی معلومات کی بنا پر اس کے نام کے نسخے مرتب کیے۔ ورنہ اگر کوئی نسخہ پہلے سے مرتب ہوتا تو دوسری بڑی بڑی تصنیفوں کی طرح اس قدر تغیر ممکن نہ تھا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ لفظی غلطیاں اور آمیزشیں ہوجاتیں۔ اور اختلاف نسخ یہیں تک رہتا۔ محدثین اور فقہا کی تصانیف اور نسخوں کے اتحاد مضامین اور یکسانیت

کو دیکھیے کہ ان میں سوائے معمولی لفظی اختلاف کے کوئی فرق نہیں اور ہر جگہ ایک ہی طرح کے ملتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں خیام سے پہلے وجود میں آئی تھیں اور ان پر صدیاں گزر چکی تھیں پھر اگر اس پر یہ عذر پیش کیا جائے کہ ایسی کتابوں کی حفاظت مذہبی ہونے کی حیثیت سے کی گئی۔ تو کہا جائے گا کہ مذہبی کتابو کے علاوہ بھی خیام سے پہلے کے بہت سے لوگوں کی تصنیفیں محفوظ موجود ہیں جو من و عن چلی آتی ہیں پھر آخر خیام کے ساتھ ہی زمانے کو کیا عداوت تھی کہ یہ شعبدہ گری بروئے کار آئی۔

نسخوں کا اختلاف صرف تعداد و شمار رباعیات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کے ہر نسخہ کی ابتدا ایک نئی رباعی سے ہوتی ہے قدیم نسخوں اور جدید مطبوعہ نسخوں میں برابر یہ بوالعجبی کارفرما ہے خود میرے پاس مضمون لکھتے وقت جس قدر نسخے موجود ہیں انھیں سے اندازہ ہو جاتا ہے پیام خیام یعنی شرح رباعیات خیام ڈاکٹر سعید احمد بریلوی میں:۔

گویند بہشت و حور عین خواہد بود

نسخہ مرتبہ محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی:۔

زاں بیش کہ از جام اجل مست شوی

نسخہ کشوری رد نسخہ منشی جے نرائن ورما:۔

آمد سحرے ندا ز مے خانۂ ما

نسخہ مشرح حافظ مولوی جلال الدین احمد:۔

ساقی بکرم تو می کنی یاد مرا

نسخہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی :۔

چوں عہدہ نمی شود کسے فردا را

نسخہ فریڈرک روزن صاحب مطبوعہ برلن :۔

تا بتوانی طعنہ مزن مستانرا

اسی پر دوسرے نسخوں کا قیاس کر لیجیے۔ بعض محققین نے اس اختلاف کو ذرا توضیح کے ساتھ دکھایا ہے مگر نتیجہ یہی نکلتا ہے جو ہم نے عرض کیا۔ کہ خیام کا کوئی نسخہ ایسا مستند نہیں جس پر یہ بنیاد خیال قائم کی جاسکے کہ خود خیام کا لکھا ہوا یا اس کے زمانے کا مرتبہ ہے۔

خیام سے پہلے اور خیام کے زمانے تک یہ دستور تھا کہ ہر معمولی سے معمولی اور چھوٹی سے چھوٹی کتاب کا بھی کوئی نام رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ جن حضرات کی رباعیات زیادہ تعداد میں ہیں ان کے اگر علیحدہ نسخے مرتب ہوئے ہیں تو ان کے نام بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ طرب نامہ شمس المعالی۔ اور مختار نامہ عطار۔ یہ رباعیات وغیرہ کے مجموعے ہیں۔ خود خیام کی ہر ایک کتاب کا نام موجود ہے۔ مگر رباعیات کے نسخہ کا کوئی نام نہیں۔ اس لیے اس وقت اس کے ہاتھ سے کسی نسخے کا مرتب ہونا ہرگز متیقن نہیں۔

اسی وجہ سے خیام کے کلام پر تنقید و تنقیح کرنے والوں نے برابر افسوس کیا ہے کہ اس کے وقت کا کوئی مستند نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔

خیام کے زمانے سے پہلے اور اکثر خیام کے زمانے کے تک اکثر رباعی گو

ہوئے مگر اتفاق وقت سے چند ان میں سے متعارف ہیں اور چند گوشۂ گمنامی کے زینت افروز۔ مگر جو مشہور بھی ہوئے ان کی رباعیاں بھی تعداد و شمار میں زیادہ نہیں ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کی رباعیاں خیام کے مجموعے میں ملی ہوئی ہیں۔

اکثر رباعیاں ایسی ہیں جو مدتوں سے مشہور ہیں۔ مگر صحیح طور سے یہ متعین نہیں ہوا کہ کس کی ہیں ان کی ایک فہرست ژوکوسکی نے مرتب کر کے ان کو آوارہ گرد رباعیوں کا خطاب دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ رباعیاں ان لوگوں کے نام سے منسوب ہیں اور خیام سے بھی منسوب ہیں۔ ان آوارہ رباعیوں کی نسبت ان تمام مشاہیر سے کی گئی ہے جن کے نام دنیا کی زبانوں پر ہیں۔ روسی مستشرق ژوکوفسکی نے جس مجموعۂ رباعیات خیام کو دیکھا اس میں کل ۴۶۴ رباعیات تھیں اس میں سے بیاسی رباعیاں آوارہ فرض کی تھیں۔ مگر (کرسیتن زن) نے اس تعداد کو ایک سو ایک تک پہنچایا۔ اور لطف یہ کہ ان ایک سو ایک غیر اصلی رباعیات میں سے ۱۹ عدد رباعیاں اس مشہور اور مستند علیہ بوڈلین لائبریری کے نسخے میں بھی موجود ہیں جس کو سب سے قدیم مانا گیا ہے۔ جس سے یہ صریحی معلوم ہوتا ہے کہ الحاق کی علت اسی زمانے سے پیدا ہو چکی تھی۔

کرسیتن زن نے ان کے خالص خیام کی رباعیاں ڈھونڈنے کی ایک یہ صورت نکالی کہ صرف وہ رباعیاں لے لیں جن میں خیام کا تخلص ہے اور ان پر اصلی ہونے کا بھروسہ کیا یہ رباعیاں بارہ ہیں۔ اور

در اصل یہ ایک بہتر طریقہ تھا۔ مگر فریڈرک روزن نے اس طریقہ کو بھی قابل اطمینان نہیں سمجھا۔ اول تو کرسٹین زن ہی کو ایک رباعی پر شبہ ہوا کہ اصلی شاعر کا نام نکال کر خیام کا نام ڈال دیا ہے اور اسی پر دوسری رباعیوں کا قیاس کیا۔ اسی طور پر مستشرق جرمنی روزن نے پانچ رباعیوں کو مختلف دلایل سے مسترد کر دیا اور اس مجموعے میں سے چھ رباعیاں باقی رہ گئی ہیں۔

ایک صورت رباعیات خیام کے اصلی ہونے کی یہ بھی تجویز کی ہے کہ جو رباعیات قدیم کتابوں میں مذکور ہیں ان کو اصلی مانا جائے۔ جیسا کہ نزہتہ الارواح شہرزوری میں۔ یہ دو رباعیاں پائی جاتی ہیں:۔

(۱)

گویند بحشر گفتگو خواہد بود
وان یار عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض جز نکوی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

(۲)

از واقعہ ترا خبر خواہم کرد
وانرا بدو حرف مختصر خواہم کرد
با عشق تو در خاک فرو خواہم شد
با مہر تو سر زخاک بر خواہم کرد

یا فردوس التواریخ میں یہ دو رباعیاں ہیں:۔

(۱)

ہر ذرہ کہ بر روئی زمینی بودہ است
خورشید رخی زہرہ جبینی بودہ است
گرد از رخ نازنین بآزرم فشاں
کان ہم رخ و زلف نازنینی بودہ است

(۲)

سیر آمدم ای خدائی از ہستی خویش
از تنگ دلی و از تہی دستی خویش
از نیست چو ہست میکنی بیرون آر
زین نیستیم بحرمت ہستی خویش

مگر ان میں سے بھی پہلی رباعی کو انگریزی مستشرق (رس) نے حکیم سنائی سے منسوب بتایا ہے۔ پھر بھی یہ رباعی تاریخ گزیدہ تالیف ۷۳۰ھ حمد اللہ مستوفی میں بھی عمر خیام سے منسوب بتائی ہے اور اسی کے نام سے لکھی گئی ہے۔ الغرض اگر اس طریقہ کار کو مانا جائے کہ خیام کی وہی رباعیاں مانی جائیں جو ان کے نام سے قدیم کتب میں موجود ہیں تو صرف چند رباعیاں ان کی ملک ٹھہریں گی۔ اور باقی غیروں کا مال ہو گا۔ اس پر بھی اگر طرز کلام پر تنقید کی جائے تو ان رباعیوں کی تعداد اور کم ہو جائے گی۔

اب ذرا ان چیزوں پر بھی نگاہ ڈال لینا چاہیے جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ خیام رباعی گو شاعر تھا۔ اس بارے میں محققین نے مندرجہ ذیل گواہوں کو پیش کیا ہے:۔

(۱) مولف قابوس نامہ یعنی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن وشمگیر رئیس جرجان۔ جو اپنی کتاب قابوس نامہ میں جو ۴۷۵ھ میں خیام کی زندگی میں لکھی گئی خیام کے دو شعر نقل کرتا ہے۔

(۲) نزہتہ الارواح شہرزوری۔ اس میں خیام کی دو رباعیاں بھی لکھی گئی ہیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہ کتاب ۵۸۶ھ سے ۶۱۱ھ تک کی تصنیف بتائی گئی ہے اور اس میں عربی و فارسی میں اس کے شاعر ہونے کی گواہی بھی ہے۔

(۳) تاریخ الحکما رقفطی جو ۶۲۴ھ سے ۶۴۶ھ کے درمیان کی تالیف ہے خیام کے بعض عربی اشعار نقل کیے ہیں۔

(۴) خریدۃ القصر جو اس عہد کے عربی شعرا کا تذکرہ اور ۵۷۲ھ کی تالیف ہے۔ اس میں خیام کے عربی اشعار ہیں۔ عمادالدین اصفہانی کاتب اس کا مولف ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور گواہیاں بھی مل سکیں مگر افسوس کہ وہ ہمارے علم میں نہیں آئیں۔ اب دیکھنا یہ چاہیے کہ یہ گواہیاں کہاں تک درست ہو سکتی ہیں۔ خیام کے لیے شاعر ہونا کوئی بڑی بات نہیں اس لیے اس کی شاعری سے انکار ایک غلط اور دور از کار بات

ہو گی۔ مگر صرف قابوس نامہ کے دو شعر اس کی رباعیات کے لئے مفید نہیں اور ان کی بنا پر اس کو رباعیات کا مصنف نہیں مانا جا سکتا۔

شہرزوری کی تصنیف میں دو رباعیاں ہیں ان میں سے بھی ایک رباعی سنائی سے منسوب ہے۔ اور ایک رباعی جو رہ جاتی ہے۔ اس کو تذکرۂ آتشکدہ میں سلطان ابو یزید آل سلطان مظفر برادر شاہ شجاع سے منسوب کیا ہے۔ اور غالباً اسی کی پیروی المغنم البارہ (مجموعہ رباعیات مرتبہ نواب محمد صدیق حسن خاں مرحوم) مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۹ھ میں کی گئی ہے کاس الکرام شرح رباعیات خیام میر ولی اللہ بی۔ اے میں یہ رباعی قطراں بن منصور ترمذی کی طرف منسوب ہے۔ شمع انجمن میں بھی بھی سلطان ابو یزید کے نام سے ہے۔ اور یہ دونوں قدیم شعرا میں سے ہیں یہاں تک کہ قطران انوری المتوفی ۵۴۷ھ کا استاد ہے۔ ایک دیوان اور قوس نامہ اس کی یادگار ہیں۔ تاریخ الحکما ایک تو خیام کے بہت بعد کی تصنیف ہے اور ۶۲۴ھ سے ۶۴۶ھ تک اس کا عالم وجود میں آنا بتایا جاتا ہے۔ اگر خیام کا انتقال ۵۳۰ھ ہی میں مان لیا جائے تو بھی ایک صدی کی مدت سے کچھ زیادہ کے قریب کا زمانہ گزر جاتا ہے۔ جس میں زبانی اور شہرت یافتہ باتوں کی ایک سر بفلک دیوار قائم ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ اس میں محض عربی اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کا خیال ہے کہ تاریخ الحکما کو اس کی شاعرانہ حیثیت سے کوئی کام نہ تھا۔ حالانکہ اس میں عربی

اشعار موجود ہیں ۔ مگر شہرزوری نے جو عربی شعر نقل کیے ہیں اس میں سے بھی تین شعر یتیمۃ الدھر قسم رابع میں ابوسہل سعید بن عبدالعزیز نیلی المتوفی ۴۲۰ھ سے منسوب ہیں۔

فارسی کا ایک قطعہ بھی خیام سے منسوب ہے جس کے اشعار یہ ہیں :۔

دوش باعقل در سخن بودم
کشف شد بر دلم خیالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش
دارم الحق بہ تو سوالے چند
گفتمش چیست زندگانی دھر
گفت خوابیست یا خیالے چند
گفتم از وے چہ حاصل است بگو
گفت دردسر و وبالے چند
گفتمش نفس رام کے گردد
گفت چون یافت گوشمالے چند
گفتم اہل زمان چہ طایفہ اند
گفت گرگ و سگ و شغالے چند
گفتمش بحث اہل دنیا چیست
گفت بیہودہ قیل و قالے چند
گفتم اہل زمانہ درچہ فن اند

گفت در بند جمع مالے چند
گفتمش چیست کتخدائی گفت

ہفتۂ عیش و غصہ سالے چند
گفتم اورا مثال دُنیا چیست

گفت زالے نہادہ خالے چند
گفتمش چیست گفتہ ہائے خیام

گفت پندے وحسب حالے چند

اول تو یہ قطعہ خواہ وہ کتنا ہی نصایح کے بیش بہا جواہرات سے آراستہ ہو خیام کے طرز کلام کا حامی ہی نہیں۔ اور ہر وہ شخص جس کو خیام کے بات کہنے کا ڈھنگ معلوم ہے معاً اس تہ کو پہنچ جائے گا کہ یہ نسبت درست نہیں۔ اس کے علاوہ میر ولی اللہ بی۔ اے نے رباعیات خیام کی شرح کے مقدمہ میں اس کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے ایک قدیم دیوان حافظ کے قلمی نسخے میں حافظ کے نام سے یہ قطعہ دیکھا۔ اور گفتہ ہائے خیام کی بجائے گفتۂ حافظ پایا۔ ممکن ہے کہ یہ بھی غلطی ہو اور ہم اس قطعہ کو حافظ کی ملکیت بھی ثابت نہ کر سکیں مگر خیام سے اس کو واسطہ نہیں ہو سکتا اور مقطع میں جس طرح خیام کا لفظ ٹھونس دیا گیا ہے خیام کے علم و فضل کے لیے وہ ایک توہین سے زیادہ نہیں۔

الغرض وہ گواہیاں جو خیام کی شاعری کے متعلق دی گئی ہیں

نہایت کمزور ہیں۔ اور ان پر اعتماد نہیں ہو سکتا اب ایک اور بات بھی دیکھیے کہ نظامی عروضی سمرقندی جو خیام کا ایک سربرآوردہ اور مشہور شاگرد تھا۔ اس نے چہار مقالہ میں خیام کے علم حساب و نجوم کے کمال کا تو ذکر کیا۔ مگر خیام کی شاعری کا مطلق تذکرہ نہیں۔ حالانکہ اس نے دوسرا مقالہ (ماہیت علم شعر اور صلاحیت شاعر) میں لکھا ہے۔ یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کا ذکر کرے اور کہیں اپنے استاد کا بھول کر بھی نام نہ لے۔

اسی طرح بیہقی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ جو حکیم صاحب کا معاصر ہے۔

یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے قلم کا۔ یا ان کے زمانے کا لکھا ہوا کوئی نسخہ کم از کم اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا۔

یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا ہے کہ ان کی رباعیوں میں الحاق کا بے پایاں طوفان موجزن ہے اور کوئی محقق کسی صورت میں مطمئن نہیں ہے یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ رباعیات کے بہت سے نسخے ہیں۔ اور نہ رباعیات کی ترتیب ہی یکساں ہے نہ یہی ہے کہ جو رباعیاں ایک نسخے میں ہیں وہ دوسرے میں بھی ہوں۔ ایک میں کچھ ہیں دوسرے میں کچھ۔ کسی میں کوئی رباعی ہے۔ کسی میں نہیں۔

ڈاکٹر فریڈرک روزن نے اپنے نسخے میں آوارہ رباعیوں کی جو مختلف نسخوں میں خیام کے یہاں مختلط ہو گئی ہیں ایک فہرست دی ہے

جن کی تعداد مجموعی بہت بڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعیات کے دیباچے خیام کے مجموعے کی بڑی تعداد دوسروں کی فرض کی گئی ہے اور یہ حالت ہر نسخے میں ہے۔ مگر انھوں نے طول کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے کوئی رباعی نہیں لکھی صرف اعداد و شمار پر کفایت کی ہے۔

یہی مستشرق لکھتا ہے: "عدہ رباعیات را کہ بطور کلی بخیام نسبت دادہ شدہ تا بہ ہزار تخمین کردہ اند۔ از ہیں جا معلوم می گردد کہ بمرور زمان باالحاقات و اضافات دیگری داخل گفتہ ہائے عمر شدہ آنہا را از حالت خلوص خارج نمودہ است بقسمیکہ امروز تمیز رباعیات خود خیام از میان این تودۂ اشعار کاریست دشوار۔"

اسی محقق کی طرح دوسرے محقق بھی مُصر ہیں کہ ان رباعیوں میں سے خیام کی خالص رباعیات کا نکالنا اور انتخاب کرنا بہت دشوار اور ناممکن کام ہے۔

خیام کے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں جن کی تعداد رباعیات بہت زیادہ ہے۔ مندرجۂ ذیل مضامین پائے جاتے ہیں۔ اور یہی مضمون چھوٹے اور بڑے مجموعوں میں مشترک طور پر موجود ہیں کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ ان سب کے ثبوت کے لیے ہم صرف ایک ایک رباعی پیش کرتے جائیں گے:

(۱) متصوفین کا مقولہ اور خیال ہے کہ زندگی میں زندگی کے عقدہ کا حل ہونا دشوار کام ہے بلکہ اس کو سمجھنا امکان نظر و بشر سے قطعی خارج ہے۔

اور اسی صورت سے دنیا کے وجود کا راز سمجھنا بھی محالات سے ہے۔ مثلاً:

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئی من و تو
چون پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

(۲) کائنات کی ہر چیز مظہر نور ذات ہے۔ اور ہر چیز اسی کا پرتو ہے۔ ان کا اصلی مرکز وہی ذات ابدی ہے۔ مثلاً

اے دل ز غبار جسم اگر پاک شوی
تو روح مجردی بر افلاک شوی
عرش است نشیمن تو شرمت بادا
کائی و مقیم خطہ خاک شوی

(۳) دنیا فانی ہے۔ یہاں کی کسی چیز کا اعتبار نہیں۔ اس میں غم ہی غم ہیں۔ اور کہیں شادمانی کا وجود نہیں۔

شادی مطلب کہ حاصل عمر دمے است
ہر ذرہ ز خاک کیقبادی و جمے است
احوال جہان و اصل این عمر کہ ہست
خوابی و خیالی و فریب و دمے است

(۴) فرصت ہستی کو غنیمت سمجھو اور اس میں جو کچھ بھی چاہے وہ کر ڈالو پھر اس کا میسر آنا دشوار ہے:

می خوردن و شاد بودن آئین منست
فارغ بودن ز کفر و دین دین منست
گفتم بہ عروس دہر کابین تو چیست
گفتا دل خرم تو کابین منست

(۵) خمریات - یہی وہ چیز ہے جس نے اس ہوسناک اور عیش پرست دور میں خیام کو مشہور یا بدنام کیا اس میں ان کی بہت سی رباعیات ہیں مگر اکثر رباعیاں دوسروں کی ہیں جو اس کے سر ڈال دی گئی ہیں چنانچہ زوکوسکی کی ۸۲ رباعیوں میں ۳۳ رباعیات جن میں شراب کا بیان ہے دوسروں کی خیال کی جاتی ہیں پھر بھی اس کے یہاں اس قسم کا بہت کافی مسالہ رہ جاتا ہے:

سنت مکن و فریضہ ہا را بہ گزار
وین لقمہ کہ داری ز کسان باز مدار
غیبت مکن و دل کسی را آزار
در عہدۂ آنجہان منم بادہ بیار

(۶) ریاکار صوفیا اور مشائخ پیشہ ور کی ہجو۔ اور ان کی ظاہر پرستی سے تنافر و بیزاری۔

پوشیدہ مرقع اند این خامی چند
نارفتہ رہ صدق و صفا گامی چند
بگرفتہ ز طامات الف لامی چند
بدنام کنندۂ نکو نامی چند

(۷) رحمت اور طلب آمرزش۔ دعائیں اور حقوق بندگی کے عدم ادائی کا اظہار اپنا عجز اور بے بسی۔ گناہوں سے شرمساری۔

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن
بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائی خرابات رو من بخشائی
بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

(۸) خداوند کریم آمرزگار حقیقی ہے وہ اپنے کرم سے تمام خطائیں اور گناہ معاف کر دے گا۔ وہ خیر محض ہے اس سے خیر ہی ہو سکتی ہے:

گویند بحشر گفتگو خواہد بود
وان یار عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض جز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

(۹) معتزلہ جبریہ فرقہ کے خیالات۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا وہ کیا اور وہ جو چاہے گا کرے گا بندہ مجبور محض ہے:

از رفتہ قلم ہیچ دگرگوں نہ شود
وز خوردن غم بجز جگر خوں نہ شود
گر در ہمہ عمر خویش خونابہ خوری
ایک قطرہ از انکہ ہست افزوں نہ شود

(۱۰) اخلاق و آداب کے نکات ۔ عام طور سے نیکی کرنا:

با دشمن و دوست فعل نیکو نیکوست
بد کی کند آنکہ نیکش عادت و خوست
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو
با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(۱۱) بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ بخشش کا قصہ ۔ روز جزا کا وجود یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں ۔ ان کی فکر اور غم محض وہم ہے اور اس جھنجٹ میں پڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑنا حماقت پر مبنی ہے:

تا چند زنم بروی دریا ہا خشت
بیزار شدم ز بت پرستان و کنشت
خیام کہ گفت دوزخی خواہد بود
کہ رفت بدوزخ و کہ آمد ز بہشت

(۱۲) عالم حادث ہے یا قدیم ۔ یہ مسئلہ بھی علمائے اسلام میں مہتم بالشان کا درجہ رکھتا ہے ۔ اور اس پر بھی خیام نے کہیں کہیں روشنی ڈالی ہے:

چوں نیست مقام ما دریں دیر مقیم
پس بی مئی و معشوق خطائیست عظیم
تا کی ز قدیم و محدث اے مرد سلیم
چوں من رفتم جہاں چہ محدث چہ قدیم

(۱۳) عشق و عاشقی کے مضامین بھی رباعیات میں شامل ہیں اگرچہ بعض محققین خیام کی رباعیوں سے اس جزو کو نسبت نہیں دیتے۔ اس قسم کی رباعیاں بھی اسی بیان میں شامل سمجھنا چاہیئے جن میں عشق کا فلسفہ اور عشق حقیقی و مجازی کا فرق ظاہر کیا ہے مثلاً:

عشقی کہ مجازی بود آبش نہ بود
چون آتش نیم مردہ تابش نہ بود
عاشق باید کہ ماہ و سال و شب و روز
آرام و قرار و خورد و خوابش نہ بود

(۱۴) ان کے علاوہ متفرق مضامین ہیں، جن میں عبرت۔ نصیحت۔ دل خوش کن ترانے سب ہی چیزیں شامل ہیں اور ان کی مثال کا تعین ناکافی ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب ایسی چیزیں اور ایسے مضمون ہیں کہ جن کا خیام سے پہلے وجود نہ تھا۔ اور ان کو صرف خیام کی ملکیت بہ جبر ماننا پڑے گا۔ ممکن ہے کہ سرسری نظر میں کوئی کہہ دے کہ ایسا ہی ہے مگر بہ امعان نظر دیکھنے پر یہ تمام چیزیں متقدمین اور معاصرین خیام کے یہاں مل جاتی ہیں۔ دنیا سے بیزاری۔ ساقی سے بادہ و جام کی خواستگاری۔ حکمت و فلسفہ کے مسایل تمام چیزیں موجود ہیں۔ اور ان کی مثالوں کے پیش کرنے کی بجائے ہم یہی کہہ کر خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ: آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ کسی کا کلام اُٹھایئے۔

گہری نگاہ ڈالیے اور سب چیزیں دیکھ لیجیے۔ لیجیے متاخرین ان کے یہاں تو دریا بہہ رہے ہیں جس کے دیوان کو اُٹھایے کچھ نہ کچھ مل رہے گا۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہہ دیا جائے تو کیا غلط ہے کہ خیام نے خود کوئی رباعی نہیں کہی بلکہ اس نے متقدمین اور معاصرین کے کلام سے ایک مجموعہ جمع کیا اور مختلف صحبتوں میں مختلف لوگوں کے سامنے اس کی رباعیاں حسب موقع پڑھیں جنھیں لوگوں نے خیام کے نام سے منسوب کر دیا اور رفتہ رفتہ وہ ان کی ملک خالص یا مشترک کا درجہ حاصل کر گئیں یا یہ کہ خود اس زمانے کی دیکھا دیکھی انھوں نے بھی کچھ کہا۔ مگر خدا معلوم وہ کیا تھا اور کس کے یہاں مخلوط ہوا۔

آج پریس نے شہرت کی دشواریوں کو آسان کر دیا ہے۔ ایک معمولی مدت میں شہر بہ شہر۔ ادانی و اعلیٰ تک شہرت پہنچ جاتی ہے۔ مگر اس زمانے میں یہ سب کچھ نہ تھا۔ نہ ریڈیو نہ تار نہ ٹیلیفون۔ مدتوں میں کہیں نسخوں کی نقلیں لی جاتی تھیں۔ اور عمروں میں ایک باکمال باکمال کہنے کے قابل ہوتا تھا۔ مکالمۂ باہمی اور تبادلۂ گفتگو ایک روایت کو کچھ کا کچھ بلکہ بشتر مسخ کر کے پیش کرتا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم نسخوں میں زیادہ سے زیادہ اختلافات پاتے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک قدیم سے قدیم نسخہ ڈاکٹر فریڈرک روزین کا ہے جس کو ۷۲۱ھ کے مخطوطہ نسخے کی نقل بتایا گیا ہے۔ مگر دیکھنا چاہیے کہ خیام کی زندگی اور وفات سے اس کو کس قدر بُعد ہے۔ اور اتنے

دنوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ سکتی ہے۔ یقینی یہ مدت نقل کو اصل کر دکھانے کے لیے ناکافی نہیں ہو سکتی۔

آج سے سات آٹھ برس پہلے میرے بعض احباب نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں محققین کے فیصلے کے مطابق ان رباعیوں کا انتخاب کروں جو خیام کی طرف منسوب ہو گئی ہیں یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ مگر تاہم میرے ذوق نے اس کو منظور کیا اور نہ معلوم کس قدر کتابوں کو چھان ڈالا اور ان رباعیوں کو نکالا جو خیام کے نام سے منسوب ہیں اور ان کی نہیں ہیں۔ اس انتخاب کے لیے میں نے مطبع نول کشور کے ۱۳۲۲ھ والے نسخہ کو منتخب کیا جس میں رباعیوں کی تعداد ۷۷۰ ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے نسخے بھی پیش نظر رکھے جس کے نتیجے میں صرف ایک ہی نسخے سے بہت کافی تعداد ایسی ملی کہ اگر اتنی تعداد میں سے اتنی تعداد منتخبہ نکل جائے تو ہرگز یقین نہیں آتا کہ بقیہ رباعیاں خیام کی ہوں گی۔ چنانچہ ذیل میں پہلے ردیف وار ان رباعیوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے بعض نسخوں پر بھی تنقید کی جا سکے گی۔

(۱) آمد سحری ندا ز میخانۂ ما
کای رند خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پر کنیم پیمانہ ز می
زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

یہ رباعی خیام کے نام کے ساتھ اس قدر چسپاں ہو گئی ہے کہ ایک
ایسا آدمی جس کو اس کے کلام پر عبور کلی نہیں ہے خیام کے نام کے
ساتھ نسبت دے کر پڑھ دیتا ہے مگر گلستان مسرت میں حیاتی گیلانی
کے نام سے لائی گئی ہے۔ اور شراب کے بیان میں جہاں بہت سے
اشعار ہیں وہاں یہ رباعی بھی ہے۔

حیاتی گیلانی المتوفی ۱۰۵ھ ایک آزاد منش درویش وضع شاعر
تھا۔ مولانا غلام علی آزاد نے ذخیرۃ الخوانین کے حوالہ سے لکھا ہے
کہ ایک مرتبہ خانخاناں اس کو خزانے میں لے گیا۔ اور حکم دیا کہ جس
قدر اشرفیاں اٹھا سکے اٹھا کر لے جائے۔

میں نے ایک قلمی نسخہ منتخبات کلام حیاتی دیکھا۔ اور اس میں اس
رباعی کو ڈھونڈا نہ مل سکی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ نہایت خوش گو اور
جذباتی شاعر تھا اس کا ایک یہ شعر:

درمیان کافراں ہم بودہ ام
یک میان شائستہ زنار نیست

سعدی کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہ رباعی بھی نہایت جوش اور
جذبات کا اظہار کرتی ہے مگر افسوس کہ اس کے یہاں اس قسم کی خمریاتی
شاعری بہت کم ہے اس لیے ممکن ہے کہ یہ رباعی اس کی نہ ہو تذکرہ
ہفت اقلیم امین رازی میں اس کو سلمان ساوجی المتوفی ۷۷۸ھ
سے منسوب کیا ہے۔ سلمان ان باکمالوں میں سے ہے جن کے کلام میں

ہر قسم کا رنگ ہے۔ رباعی۔ قصیدے۔ غزل میں وہ اپنا آپ ہی جواب ہے حافظ نے سلمان کے کلام سے استفادہ کیا ہے اور اس کی مدح میں کہا ہے:

سر آمد فضلائی زمانہ دانی کیست
زراہ صدق و یقیں نی ز راہ کذب و گمان
شہنشہ فضلا بادشاہ ملک سخن
جمال ملت و دیں خواجۂ جہاں سلمان

تذکرۂ تمنا میں بھی یہ رباعی سلمان ہی سے منسوب بتائی گئی ہے۔ نسخہ برلن منقولہ مخطوطہ ۷۲۱ھ اور نسخہ دار المصنفین منقولہ مخطوطہ ۱۱۹۱ھ میں یہ رباعی نہیں پائی جاتی۔

(۲) گرمی نہ خوری طعنہ مزن مستان را
گر دست دہد توبہ کنم یزدان را
تو فخر بدین کنی کہ من می نخورم
صد کار کنی کہ می غلام است آن را

یہ رباعی افضل کاشانی المتوفی ۷۰۷ھ کی ہے۔ چنانچہ رباعیات بابا افضل مطبوعہ طہران میں موجود ہے۔ اور بجائے (گرمی نہ خوری) (زنا بہ توانی) ہے۔ افضل کاشانی کے یہاں ایک بڑی تعداد رباعیوں کی موجود ہے۔ جن میں ہر رنگ پایا جاتا ہے اور وہ ۴۸۲ رباعیاں ہر جذبے پر منقسم کی جا سکتی ہیں یہ رباعی برلن

کے نسخے میں موجود ہے مگر مرتبہ دار المصنفین میں نہیں ہے۔ اس رباعی میں ناصحانہ رنگ ہے۔ اور اس قسم کی نصیحتیں خیام ایسا فلسفی نہیں کر سکتا نہ یہ اس کی طرز و روش نہ یہ اس کا طرز بیان۔ وہ ناصحانہ انداز میں کہہ سکتا ہے مگر اس کا انداز واعظانہ نہیں۔

(۳) چوں عہدہ نمی شود کسی فردا را
حالی خوش کن تو ایں دل سودا را
می نوش بنور ماہ ای ماہ کہ ماہ
بسیار بتابد و نیابد ما را

یہ رباعی شیخ فریدالدین عطار المتوفی ۶۲۷ھ کی ہے مختار نامہ کشوری مشمولہ کلیات عطار مطبوعہ کشوری میں صفحہ ۱۰۰۲ پر موجود ہے۔ عطارؒ نے بہت رباعیاں کہیں۔ جن میں سے ایک معقول تعداد خود انھوں نے ضایع کر دی۔ اور اب بھی ہزاروں کی تعداد میں مختار نامہ میں موجود ہیں۔ اور ان میں ہر قسم کے خیالات ہیں۔ ان کی ایک اور رباعی بھی اسی قسم کے خیال کی سنیے:

روزیکہ بود روز ہلاک من و تو
از تن ببرند جان پاک من و تو
از بسکہ نباشیم درین طاق کبود
مہ تابد بر سرِ خاک من و تو

رباعی کا چوتھا مصرع بجنسہ نقل کر دیا گیا ہے۔ ظاہرا سکتہ سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ رباعی بھی فریڈرک روزن کے نسخے میں نہیں ہے۔ مولوی سید سلیمان صاحب کے مطبوعہ نسخے میں موجود ہے۔

(۴) بت گفت بہ بت پرست کای عابد ما
دانی ز چہ روی گشتہ ساجد ما
بر ما بہ جمال خود تجلی کرد است
آں کس ز تست ناظر و شاہد ما

یہ رباعی بھی افضل کاشانی کے۔ مجموعہ رباعیات افضل مطبوعہ طہران میں بھی موجود ہے۔ نسخہ برلن و دار المصنفین دونوں میں نہیں پائی جاتی اور حقیقت میں خیام کے طرز گفتار کو جن صورتوں سے منسوب کیا جاتا ہے وہ اس میں موجود نہیں۔ رمز و کنایہ۔ شوخی کی بجائے اس میں ایک صاف صاف وحدت وجود اور ہمہ اوست کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ یہی رباعی دیوان مغربی میں بھی موجود ہے۔

(۵) با بط می گفت ماہی در تب و تاب
باشد کہ بجوئی رفتہ باز آید آب
بط گفت کہ چوں من و تو گشتیم کباب
بود از پس مرگ ما چہ دریا چہ سراب

تذکرہ آتشکدہ آذر۔ اور روز روشن میں یہ رباعی بندار رازی (مداح مجد الدولہ دیلمی) سے منسوب کی گئی۔ بندار کا کوئی دیوان یا مجموعہ نہیں دیکھا گیا مگر اس کی بعض رباعیاں تذکروں میں ملتی ہیں اور یہ پانچویں صدی کے اوائل تک یا چوتھی صدی کے آخر کا شاعر ہے جو خیام کے دور سے پہلا دور ہے۔ ملک قمی کی ایک رباعی بھی اسی قسم کی ہے جس میں پہلا مصرع تو بالکل متوارد ہو گیا ہے رباعی یہ ہے:

با بط می گفت ماہی در تب و تاب
می گشت چو در آتش سوزندہ کباب
در دا و دریغا کہ دریں دیر خراب
گہ بر سر آتشیم و گہ بر سر آب

(۶) از بادہ ناب لعل شد گوہر ما
آمد بہ فغان ز دست ما ساغر ما
از بسکہ ہمی خوریم می بر سر می
ما در سر می شدیم و می بر سر ما

یہ رباعی شیخ فخر الدین عراقی المتوفی ۶۸۸ھ کے دیوان میں موجود ہے۔ اور مولانا روم المتوفی ۶۷۲ھ یا ۶۶۱ھ کی رباعیات میں بھی شامل ہے۔ مولانا کے یہاں ہر رنگ کی رباعیاں پائی جاتی ہیں اور میرے نزدیک زیادہ انھیں سے اس رنگ کی نسبت درست ہے۔

دوسرے شعر کے مصرعِ ثانی میں جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے اسے خیام سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ تصنع اور آورد متاخرین کے یہاں ہوتی ہے۔ ابتدائے زبان و شعر میں یہ کوششیں نہیں ہوتیں۔

(۷) خرم بہ تو داشتم دل پر غم را
ہجرِ تو حزیں کرد دل خرم را
من تلخیٔ عالم بہ تو خوش میکردم
با تلخیٔ ہجرت چہ کنم عالم را

یہ رباعی خواجہ مجد الدین ہمگر المتوفی ۶۸۲ھ کی ہے چنانچہ تذکرۂ ہفت اقلیم امین رازی ذکر مجد الدین ہمگر میں انھیں سے منسوب کی گئی ہے۔ خیام سے ایسے فراقیہ مضامین کی نسبت نہیں دی جاسکتی۔ ڈاکٹر فریڈرک روزن اپنے نسخہ کے دیباچہ میں عشقیہ مضامین کی نسبت لکھتے ہیں۔ "در اشعار حقیقی خیام مضامین عشق ظاہری خیلے کم است۔ و اگر چیزی دیدہ شود مقصود عشق تصوف است۔ برخلاف نسخۂ جدیدہ متن ما ازیں اشعار کم دارد دریں عدۂ معدود ہم عشق ظاہری ابدا مورد توجہ نیست و بہ کلی زیر پردہ می ماند"

(۸) عاشق ہمہ روز مست و شیدا بادا
دیوانہ و شوریدہ و رسوا بادا
در ہشیاری غصۂ ہر چیز خوریم
چوں مست شدیم ہرچہ بادا بادا

یہ رباعی بھی مولانا روم منسوب ہے اور ان کے مجموعۂ رباعیات

مطبوعہ اسلامبول مطبع اختر ۱۳۱۲ھ میں موجود ہے۔ نیز المغنم البارد مرتبہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم مطبوعہ ۱۲۹۹ھ بھوپال میں بھی مولانا روم ہی سے منسوب ہے۔ یہ کتاب رباعیات کا ایک مجموعہ ہے اور اس میں ہزار ہا رباعیات متقدین و متاخرین کی نام بہ نام جمع کی گئی ہیں۔ میرے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ رباعیات خیام کے قدیم نسخوں میں یہ رباعی نہیں پائی جاتی۔

(۹) ساقی قدحی کہ کارساز ست خدا
وز رحمت خود بندہ نواز ست خدا
می خور بہ بہار و یار طاعت مفروش
کز طاعت خلق بے نیاز است خدا

ساقی نامۂ اہلی شیرازی کا ایک قلمی نسخہ میری نگاہ سے گزرا جس میں یہ رباعی اہلی شیرازی سے منسوب ہے اس میں چوتھا مصرع اس طرح پر لکھا تھا:

می خور بہ نیاز و ناز طاعت مفروش

اہلی امیر علی شیر کے مداحوں میں سے تھا۔ اور اس کا ایک دیوان بھی ہے جو اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ نہایت خوش گو تھا۔

(۱۰) خواہی ز فراق در فغاں دار مرا
خواہی بہ وصال شادماں دار مرا
من با تو نہ گویم کہ چساں دار مرا
زانساں کہ دلت خواست چناں دار مرا

یہ رباعی افضل کاشانی کے مجموعہ رباعیات مطبوعہ آتشکدہ طہران ... موجود ہے اور انھیں سے منسوب ہے۔ مگر المغنم البارد مطبوعہ ۹۹ ... میں امیر خسرو دہلوی کے نام سے لکھی گئی ہے۔ اور چوتھے مصرع ... یہ تغیر ہے:

زانساں کہ تو خواہی آن چناں دار مرا

یہ بھی عشقیہ اور التجائیہ سی رباعی ہے جس کی خیام سے اُمید نہیں کی جا سکتی۔

(۱۱) اجزائی پیالہ کہ درمی پیوست
بشکستن آں روا نمی دارد دست
چندیں سر و دست نازنین و بر و دست
از مہر کہ پیوست و بہ کین کہ شکست

یہ رباعی خواجہ نصیر الدین طوسی المتوفی ۶۷۲ ھ سے منسوب ہے۔ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی اور ژوکوفسکی نے بھی انھیں سے منسوب بتایا ہے۔ اسی قسم کی ایک رباعی تاریخ نایاب میں ذکر شیخ شرف الدین بو علی شاہ میں اس قصہ کے ساتھ لکھی ہے۔ کہ سلطان محمد تغلق نے شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر کو یہ رباعی لکھ کر بھیجی:

گہ راست کند صورت مردی وزنی
گہ بشکندہ این طلسم جانی و تنی
کس نیست کہ استاد قضا را پرسد
کز بہر چہ سازی و چرا می شکنی

اُنھوں نے اس کے جواب میں یہ رُباعی لکھ کر بھیجی :

شرطست کہ در امر قضا دم نزنی
این نوع کہ گفتی نہ تو مردی نہ زنی
گل را چہ مجالست کہ پرسد ز کلال
کز بہر چہ سازی و چرا می شکنی

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں رباعیاں اسی ایک رباعی سے نکال لی گئی ہیں۔ کیوں کہ قصہ کی نسبت درست نہیں معلوم ہوتی۔ یہی رباعی مذکورہ بالا افضل کاشانی کے مطبوعہ رباعیات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور افضل کی ایک اور رباعی بھی اسی مضمون کی ہے :

از عرش خدا تا بہ ثری ملک خداست
در ملک خدا ہر چہ کند حکم رواست
کس را نرسد کہ پرسد از حضرت حق
کین حکم چگونہ بود و آن حکم چراست

(۱۲) ای چرخ فلک خرابی از کینۂ تست
بیدادگری عادت دیرینۂ تست
ای خاک اگر سینۂ تو بشگافند
بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست

یہ رباعی بھی افضل کاشانی کے مجموعہ رباعیات میں موجود ہے۔ اس کو مہستی گنجوی شاعرہ دورِ سنجر بادشاہ سے بھی منسوب کیا ہے۔ مہستی اپنے زمانے کی نہایت زود گو اور مشہور شاعرہ تھی۔ اس کا دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ مگر وہ برباد ہو کر نایاب ہو گیا۔ اس کی کچھ رباعیاں اب بھی تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ بعض نے اس کا وطن نیشاپور بتایا ہے یہ رباعی اس نے غالباً اپنے کسی عزیز یا شوہر کی وفات پر کہی ہے۔ اس کی ایک اور رباعی بھی اس قسم کے غم کا پتہ دیتی ہے:

شبہا کہ بہ نازِ با تو خفتم ہمہ رفت
درہا کہ بہ نازِ غمزہ سفتم ہمہ رفت
آرامِ دل و مونسِ جانم بودی
رفتی و ہر آنچہ با تو گفتم ہمہ رفت

---

(۱۳) ما کافرِ عشقیم و مسلماں دگر است
ما مورِ ضعیفیم و سلیماں دگر است
از ما رخِ زرد و جگرِ پارہ طلب
بازارچۂ قصب فروشاں دگر است

یہ رباعی بھی رباعیات مولانا روم کے مجموعہ میں موجود ہے۔ تذکرہ تنبیہ الجہلا میں جو شعر کے جواز و عدم جواز کی بحث میں لکھا گیا ہے

اس میں مولانا روم ہی سے اس کو منسوب کیا گیا ہے۔ مرزا غالب مرحوم کی ایک رباعی جو اسی طرز و روش کے ساتھ کہی گئی ہے ملاحظہ کیجیے:

غالب روش مردم آزاد جداست
رفتار اسیران رہ و زاد جداست
ما ترک مراد را ارم میدانیم
وان باغچۂ ضبطیٔ شداد جداست

غلام مصطفےٰ بلگرامی کی بھی ایک رباعی ہے:

ما عاشق ذاتیم و صفاتی دگر است
بیروں ز جہانیم و جہاتی دگر است
ما واجبی ایم ذکر واجب گوئیم
افسانۂ نوبس ممکناتی دگر است

(۱۴) چوں ہشیارم ز من طرب پنہان است
چوں مست شوم در خردم نقصان است
حالیست بیان مستی و ہشیاری
من بندۂ آنکہ زندگانی آن است

یہ رباعی بھی افضل کاشانی سے منسوب ہے۔ اور ان کے مجموعہ رباعیات میں موجود ہے پہلا مصرع اس طرح پر ہے:

چوں ہشیارم در طربم نقصان است

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میانہ روی کے لیے یہ خیام کی بہترین نصیحت ہے۔ مگر شاید ان حضرات کو یہ خیال نہیں کہ خیام اس قسم کا ناصح شاعر نہیں ہے۔

(۱۵)

ہر سبزہ کہ بر کنار جوئی رستہ است
گویا ز لب فرشتہ خوئی رستہ است
پا بر سر سبزہ تا بخواری ننہی
کان سبزہ زخاک لالہ روئی رستہ است

یہ رباعی شیخ نجم الدین رازی معروف بہ دایہ المتوفی ۶۵۴ھ سے منسوب ہے تذکرہ حسینی مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۲ھ صفحہ ۲۴۷ ذکر شیخ نجم الدین رازی المغنم البارد صفحہ ۷۰ میں بھی ایسا ہی ہے خیابان عرفان جو فارسی رباعیات کا مجموعہ حیدر آباد سے طبع ہوا ہے اس میں بھی انھیں نجم الدین سے نسبت دی گئی ہے۔ ایک تذکرہ قلمی مولفہ غلام امام شاگرد حکیم مومن میں بھی اسی نسبت کو قائم رکھا گیا ہے۔ مگر آتش کدۂ آذر میں شیخ مجد الدین المتوفی ۶۱۶ھ سے منسوب کیا ہے۔ اگرچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اور بھی رباعیات منقول ہیں مگر یہ نسبت شیخ نجم الدین دایہؒ کی طرف زیادہ درست ہو سکتی ہے اور انھیں کی طرف محققین کی اکثریت بھی ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہ خیال اس قدر عام ہے کہ متقدمین اور متاخرین دونوں کے یہاں پایا جاتا ہے چنانچہ حکیم سنائی کی یہ رباعی:

ہر ذرہ کہ بر روئی زمینی بودہ است
خورشید رخی زہرہ جبینی بودہ است
گرد رخ آستین بآزرم فشاں
کانہم رخ خوب نازنینی بودہ است

یا قاضی محمد صادق اختر مولف تذکرۂ آفتاب عالمتاب المتوفی ۱۸۵۸ء کی یہ رباعی:

این سبزۂ تر سبز نگاری بودہ است
وین غنچہ گل رشک بہاری بودہ است
گل چین گل را مچین زبید ردی ہا
کاں عارض شوخ گلعذاری بودہ است

یا شیخ فریدالدین عطار رح:

ہر سبزہ و گل کہ از زمیں بیرون است
از خاک یکی سبز خطی گل گون است
ہر نرگس ولالہ کہ در ہامون است
از چشم خوش و ز جگر گل گون است

یا شمس الدولہ محمد بلخی کی یہ رباعی:

ہر لالہ کہ چشم کوہساری بودہ است
صد قطرہ ز خون شہریاری بودہ است
مسپر بہ قدم سبزۂ بستاں گستاخ
کان وسمہ کہ ابروی نگاری بودہ است

(۱۶) می بر کف من نہ کہ دلم در تاب است
وین عمر گریز پائی چوں سیماب است
برخیز کہ بیداری دولت خواب است
دریاب کہ آتش جوانی آب است

یہ رباعی اشرف الدین حسن بن ناصر الدین علوی غزنوی سے منسوب ہے ہفت اقلیم قلمی محفوظہ یونیورسٹی لائبریری لکھنؤ صفحہ ۱۲۱ اور اس میں یہ تغیر ہے کہ بہ جائے (دریاب) (بشتاب) مصرع چہارم بہ جائے مصرع سوم اور مصرعہ سوم بہ جائے چہارم ہے۔

خیام کے مجموعے میں اسی رباعی سے یہ رباعی یا تراش لی گئی ہے یا ممکن ہے کہ اس سے یہ رباعی لی گئی ہو۔

(۱۷) ندہ بہ پیر آن می کہ جہاں تاب است
زان می کہ گل نشاط را مہتاب است
بشتاب کہ آتش جوانی آب است
دریاب کہ بیداری دولت خواب است

اس میں مصرع اولی۔ مصرع ثانی۔ مصرع سوم میں بڑے تکلف کے بعد معنی پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۱۸) ہر چند کہ از گناہ بد بختم و زشت
نومید نیم چو بت پرستان ز کنشت
اما سحری کہ میرم از مخموری
می خواہم و معشوق چہ دوزخ چہ بہشت

اسی رباعی کو ردو بدل کرنے کے بعد اہل دل نے یہ رباعی بھی مجموعہ میں شامل کر دی ہے۔

(۱۹) تا چند زنم بہ روئی دریا خشت
تو مید نیم چو بت پرستان ز کنشت
امشب من و سیمبر جوانان کنشت
می خواہیم معشوق چہ دوزخ چہ بہشت

(۲۰) گر کار تو نیک است بہ تو بیر تو نیست
ور شر بود نیز بہ تقصیر تو نیست
تسلیم و رضا پیش کن و شاد نبری
چون نیک و بد جہان بہ تدبیر تو نیست

یہ رباعی گلستان مسرت میں (منع شکایت زمانہ ناہنجار و راضی بجان و دل بودن بمرضیات خدا) کے ذیل امین کے نام سے لکھی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ کون سے امین ہیں۔ ممکن ہے کہ احمد قلی خاں قمی متخلص بہ امین کی ہو۔ جو عہد اورنگ زیب میں ہندوستان آئے اور ملازمان شاہی میں منسلک تھے۔ یہ رباعیاں کہتے تھے۔ یا پھر خواجہ محمد امین کوبج کاشانی کی ہو کہ وہ بھی رباعیاں کہتے تھے۔ یا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب امین محدث دہلوی کی ہو۔ بہر حال صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ گلستان مسرت میں اسی کے ساتھ سالم کی

یہ رباعی بھی لکھی ہے:

یک ذرہ اختیار در دست تو نیست
لیکن معقول فطرت پست تو نیست
تدبیر چو کعبتین و تقدیر چو نقش
در دست تو ہست لیک در دست تو نیست

بہر صورت تدبیر و تقدیر کا ایک نزاعی مسئلہ ہمیشہ سے علمائے اسلام میں زیر بحث رہا ہے اور یہ ایک عام بلکہ پیش پا افتادہ مضمون ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ رباعی حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ المتوفی ۴۴۰ھ کے مجموعۂ رباعیات میں بھی شامل ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ انھیں کی ہو۔ مجموعہ رباعیات افضل کاشانی میں بھی پائی جاتی ہے۔

(۲۱)
روزی کہ شود اذا السماء انشقت
واندم کہ بود اذا النجوم انکدرت
من دامن تو بگیرم اندر عرصات
گویم صنما بای ذنب قتلت

یہ رباعی بھی رباعیات خیام میں شامل ہے۔ حالانکہ ترکیب نحوی سے اس کا مصرع چہارم قطعاً غلط ہے۔ پہلے شعر میں یہ ہے کہ جب آسمان پھٹیں گے اور ستارے دھندلے ہو جائیں گے۔ یعنی قیامت قایم ہو گی تو میں میدان قیامت میں تیرا دامن پکڑوں گا۔ یہاں تک درست۔ لیکن دامن پکڑ کر ایک مظلوم کو یہ کہنا چاہیے کہ بای ذنب قتلتنی۔ یعنی

تو نے مجھے کس گناہ پر قتل کیا تھا۔ مگر بہ بجائے اس کے مصرع موجودہ کے معنے یہ ہیں کہ تو کس گناہ پر قتل کی گئی۔ یہ سوال تو وہ ہے جو دختر موؤدہ سے قیامت میں کیا جائے گا۔ کیونکہ ایام جاہلیت میں عرب کی رسم تھی کہ وہاں داماد بنانے کی شرم سے زندہ دفن کرا دیتے تھے۔ اسی لیے قرآن شریف میں خدائے جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے: واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔ یہاں اس کا کوئی محل ہی نہیں ہے

استاد ذوق دہلوی کا ایک اردو کا شعر ملاحظہ فرمایئے:

الٰہی کس بے گنہ کو مارا سمجھ کے قاتل نے کشتنی ہے
کہ آج کوچے میں اس کے شورِ بایِّ ذنبٍ قُتلتنی ہے

مجھے تعجب آتا ہے کہ ایک ہندی شاعر تو اس مفہوم کے ادا کرنے کے لیے صحیح الفاظ لائے اور خیام الیاعربی کا زبردست فاضل یہ غلطی کرے تعجب ہے کہ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی اس کو اپنے مجموعہ رباعیات میں نقل کیا اور کوئی نوٹ بھی نہیں لکھا مجموعہ ڈاکٹر فریڈرک روزن میں یہ رباعی شامل نہیں ہے۔ اگرچہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا نسخہ ۹۱۱ ہجری کے نسخے کی نقل ہے مگر حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب دیکھا جاتا ہے کہ یہ رباعی حکیم مولا بخش صاحب قلق۔ المتوفی ۱۲۹۷ھ کے کلیات مطبع انصاری دہلی ۱۲۹۸ھ کے صفحہ ۲۲۸ پر ان کے فارسی کلام میں متفرقات کے ذیل دیکھی جاتی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ قلق ہی کی رباعی ہے۔ مگر خیام کی کسی صورت

سے نہیں ہو سکتی۔

(۲۲) چون مردن تو مردن یکبارگی است
یکبار بمیر این چہ بیچارگی است
خونی و نجاستی و مشتی رگ و پوست
در کار نبود این چہ غمخوارگی است

یہ رباعی بھی شیخ فریدالدین عطار کی ہے۔ چنانچہ مختار نامہ میں موجود ہے اور ہفت اقلیم تذکرہ عطار میں بھی انھیں سے منسوب کی گئی ہے۔ ہفت اقلیم قلمی مخطوطہ یونیورسٹی لائبریری لکھنؤ صفحہ ۲۶۵۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی کا بیان بہت الجھا ہوا ہے۔

(۲۳) چندین غم مال و حسرت دنیا چیست
ہرگز دیدی کسی کہ جاوید بزیست
این یک نفسی کہ در تنت عاریت است
با عاریتی عاریتی باید زیست

یہ رباعی بھی افضل کاشانی سے منسوب ہے، اور ان کے مجموعۂ رباعیات میں موجود ہے۔ خیال عام ہے۔

(۲۴) گر از پی شہوت و ہوا خواہی رفت
از من خبری کہ بی نوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی و از کجا آمدہ
می دان کہ چہ می کنی کجا خواہی رفت

یہ رباعی حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری المتوفی ۴۸۱ھ کی ہے چنانچہ ان کی مناجات اور منازل السائرین میں موجود ہے۔ رباعیات مولانائے روم میں بھی شامل ہے اور دوسرا شعر اس طرح ہے:

در در گزری از ین بہ بینی بہ عیاں
کز بہر چہ آمدی کجا خواہی رفت

میرے نزدیک یہ شیخ الاسلام ہی کی رباعی ہے اس لیے کہ ان کی تصانیف مولانا روم سے پہلے کی ہیں اور ان میں یہ موجود ہے۔ المغنم البارد میں یہ نجیب الدین جرباد قانی سے منسوب ہے۔ خیام کے مجموعے میں ایک رباعی بالکل اس کے خلاف موجود ہے:

ای آمدہ از عالم روحانی تفت
حیران شدہ در پنج و چہار و شش و ہشت
می خور کہ ندانی ز کجا آمدہ
خوش باش نہ دانی بہ کجا خواہی رفت

(۲۵)
نیکی و بدی کہ در نہاد بشر است
شادی و غمی کہ در قضا و قدر است
با چرخ مکن حوالہ کاندر رہ عقل
چرخ از تو ہزار بار بیچارہ تر است

یہ رباعی بھی افضل کاشانی سے منسوب ہے اور مجموعہ رباعیات افضل

میں موجود ہے۔ اور پہلا مصرع یوں ہے :

شادی و غمی کہ از قضا و قدر است

اور عقل کے بجائے مصرع ثالث میں عشق ہے۔ دوسرا مصرع بدلا ہوا ہے۔ ان کے یہاں اسی خیال کی ایک دوسری رباعی بھی موجود ہے :

در عشق ہر آن کسی کہ مستور تر است
گوئی ز ہمہ مراد ہا دور تر است
آنرا کہ تو آسودہ ہمی پنداری
چون در نگری از ہمہ رنجور تر است

اس کے علاوہ یہ رباعی شیخ اوحد الدین کرمانی المتوفی ۶۳۵ھ سے بھی منسوب ہے :

(۳۶) این کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است
در بند سر زلف نگاری بودہ است
این دستہ کہ در گردن او می بینی
دستی است کہ در گردن یاری بودہ است

یہ رباعی بھی افضل کاشانی سے منسوب ہے اور ان کی رباعیات میں موجود ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں یہ ایک عام خیال ہے اور فلاسفۂ قدیم نے اس خیال کو کہ دنیا کا کوئی ذرہ ضایع نہیں ہوتا۔ نہ بیکار جاتا ہے۔ بلکہ صور ظاہری کا استحالہ ہوتا رہتا ہے طرح طرح

نے ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ افضل کی دوسری رباعی :

پیش از من تو لیل و نہاری بودہ است
گردندہ فلک برائی کاری بودہ است
زنہار قدم بہ خاک آہستہ نہی
کان مردمک چشم نگاری بودہ است

مجموعہ خیام کی یہ دوسری رباعیاں :

خاری کہ بزیر پائی ہر حیوا نیست
زلف صنمی و ابروی جانا نیست
ہر خشت کہ بر کنگرہ ایوانی است
انگشت وزیری و سر سلطانی است

در ہر دشتی کہ لالہ زاری بودہ است
آن لالہ ز خون شہریاری بودہ است
ہر برگ بنفشہ کہ زمین می روید
خالی است کہ بر روی نگاری بودہ است

(۲۷ ہشدار کہ روزگار شور انگیز است
ایمن منشین کہ تیغ دوران تیز است

در کام تو گر زمانہ لوزینہ نہد
زنہار فرو مبر کہ زہر آمیز است

اس رباعی کو بھی مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے افضل کاشانی
سے منسوب بتایا ہے۔ مگر مجھے رباعیات افضل میں نہیں ملی۔ ممکن
ہے کہ افضل ہی کی ہو کیوں کہ اسی قسم کی ان کی دوسری رباعی بھی
موجود ہے:

بر دہر مکن تکیہ کہ لطفش قہر است
مستاں ز جہاں لقمہ کہ نوشش زہر است
دامادئ دہر است بہ نزدم ہمہ عیب
کین فاحشہ را خون عزیزان مہر است

---

(۲۸) چوں آب بہ جوئبار و چون باد بہ دشت
روز دگر از عمر من و تو بگزشت
تا من باشم غم دو روزہ نخورم
روزی کہ نیامدست و روزی کہ گزشت

یہ رباعی بھی افضل کاشانی کی رباعیات میں موجود ہے۔ اور
پہلا شعر یوں ہے:

از عمر ہر انچہ بہترین بود گزشت
بہ گزشت چناں کہ بگزرد باد بہ دشت

(۲۹)

می خوردن من نہ از برائی طرب است
نے فسادِ دین و ترکِ ادب است
خواہم کہ بے خودی بر آرم نفسی
می خوردن و مست بودنم زیں سبب است

یہ رباعی شیخ علی لالا بن شیخ سید پسر عمر شیخ ثنائی کی ہے چنانچہ ذکر شیخ علی لالا میں مولف ہفت اقلیم نے یہی لکھا ہے۔ مرزا غالب نے اردو میں اس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے کہا ہے:

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

سپہری کاشی کی بھی ایک رباعی اسی مضمون کی ہے:۔

روزم تا شب بہ می پرستی گزرد
شب تا روزم بہ خواب مستی گزرد
زیں بیخودی مدام شادم کہ مبادہ
یک من نفسی بہ فکر ہستی گزرد

(۳۰) می نوش کہ عمر جاودانی ایں است
خود خاصیت از دور جوانی ایں است
ہنگام گل و مل است و یاران سرمست
خوش باش دمی کہ زندگانی این است

یہ رباعی دیوان حافظ کی رباعیات میں شامل ہے۔ دیوان حافظ مطبع نول کشور ۱۲۸۹ھ نیز مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۱ء میں موجود ہے۔ مگر کلکتہ کے نسخہ میں اصل دیوان میں نہیں ہے بلکہ ضمیمہ میں ہے

حافظ کی اگر یہ رباعی ہو تو کوئی تعجب نہیں اس لیے کہ ان کا تمام کلام ہی مستانہ ہے اور رباعیات میں خمریات کی کمی نہیں۔

(۳۱) دارندہ چو ترکیب طبایع آراست
از بہر چہ او فگندش اندر کم و کاست
گر نیک آمد شکستن از بہر چہ بود
ور نیک نیامد ایں صور عیب کراست

یہ رباعی بھی رباعیات افضل میں شامل ہے اور اس میں اس طرح پر ہے:

دارندہ چو ترکیب چنیں خوب آراست
باز از چہ سبب فگندش اندر کم و کاست
گر خوب نیامد ایں بگو عیب کراست
ور خوب آمد خرابی از بہر چہ خاست

اس سے پہلے ایک رباعی:

اجزائی پیالہ کہ درہم پیوست
بشکستن آں روا نمی دارد دست
چندیں سر و پای نازنین از سر دست
از مہر کہ ساخت و ز برائی کہ شکست

اسی قسم کی لکھی جا چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال اس وقت بھی عام تھا اور اب بھی۔ کہ آخر نیست سے ہست کرنا اور ہست سے

...نسبت کرنا کیوں ہے۔

(۳۰) پیش از من و تو لیل و نہاری بودہ است
گردندہ فلک برائی کاری بودہ است
زنہار قدم بہ خاک آہستہ نہی
کان مردمک چشم نگاری بودہ است

...رباعی بھی افضل کاشانی سے منسوب ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے لکھ
...ہیں یہ ایک عام خیال ہے۔ تذکرہ حسینی کشوری صفحہ ۳۲، تذکرہ
...ع النفائس، مجموعہ رباعیات افضل اور تذکرہ مقالی غلام امام
...افضل سے منسوب ہے۔

(۳۱) از منزل کفر تا بہ دین یک نفس است،
وز عالم شک تا بہ یقین یک نفس است
این یک نفس عزیز را خوش میدار
کز حاصل عمر ما ہمیں یک نفس است

...رباعی بھی مجموعہ رباعیات افضل میں موجود ہے اور پہلے مصرع
...عالم کی بجائے منزل ہے۔

(۳۲) آں لعل گراں بہا ز کان دگر است
واں در یگانہ را نشان دگر است
اندیشہ ایں و آں خیال من و تست
افسانہ عشق را زبان دگر است

مجموعہ رباعیات مولانا روم میں ایک ایسی ہی رباعی۔
ملاحظہ ہو :

ما را بجز این زبان زبان دگر ست
جز دوزخ و فردوس مکان دگر است
آزادہ دلان زندہ بجان دیگر اند
آن گوہر پاک شان زکان دگر ست

بہت ممکن ہے کہ یہ رباعی اس سے یا یہ اس سے مستخرج ہو۔

(۳۵) امروز کہ نوبت جوانیٔ من است
می نوشم از انکہ کامرانیٔ من است
عیبش مکنید زانکہ تلخ است خوش است
تلخ است از انکہ زندگانیٔ من است

یہ رباعی بھی سراج الدین قمری شاعر دربار خوارزم شاہی کی ہے اس کو فخر رازی کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو خود خیام کو بھی امام فخر الدین رازی سے شاگردی کی نسبت ہے مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے آتش کدہ اور تاریخ گزیدہ کے حوالے سے یہ رباعی انھیں کے نام منسوب کی ہے۔ مگر تذکرۂ روز روشن میں لکھا ہے کہ قمری مازندرانی تھا اور سلطان ابو سعید کے عہد کا شاعر تھا پہلے سراجی تخلص کرتا تھا۔ عبید زاکانی کے ساتھ اس کے مشاعرے اور مطارحے ہوتے تھے۔ عبید زاکانی آٹھویں

ـدی ہجری کا شاعر ہے۔

(۳۶ گر بر فلکی بہ خاک باز آرندت

در بر سر نازی بہ نیاز آرندت

فی الجملہ بنہ تو جہل تا بتوانی

آزار مجوئی تا نیاز آرندت

ر رباعی بھی افضل کاشانی کے مجموعے میں موجود ہے المعجم البار
صفحہ ۱۵۷ میں بھی انھیں سے منسوب کی گئی ہے اور تیسرا
مصرع میں موجود ہے۔ فی الجملہ حدیث مطلق از من بشنو۔ یہ
ھی خالص ناصحانہ انداز ہے جس سے خیام کو نسبت نہیں۔

(۳۷) چوں آتش سودائی تو جز دود نہ داشت

مسکین دل من امید بہبود نہ داشت

در جستن وصل تو بسی کوشیدم

چون بخت نہ بود کوششم سود نہ داشت

ر رباعی انوری کی ہے چنانچہ ۳۳۵ کلیات انوری مطبوعہ مطبع
ل کشور ۱۸۹۷ء میں موجود ہے اور دراصل اس قسم کا ہجریہ
یان خیام کی رباعیات سے بہت دور ہے یہ رباعی مجموعہ رباعیات
یام کشوری میں موجود نہیں مگر دوسرے نسخوں میں موجود ہے۔

(۳۸ ہ عقل زنہ رواق و زہشت بہشت

ہفت اخترم از شش جہت این نامہ نوشت

کز پنج حواس و چار ارکان و سہ روح
ایزد بدو عالم چو تو یک کس نہ سرشت

یہ رباعی رباعیات افضل کاشانی میں موجود ہے۔ تذکرہ حسینی مطبوعہ کشوری صفحہ ۲۳ میں بھی افضل ہی سے منسوب کی ہے۔ مگر رباعیات افضل میں بتایا گیا ہے کہ یہ رباعی نظامی گنجوی سے بھی منسوب ہے ان دو میں سے کسی کی بھی ہو مگر خیام اس قسم کی عاشقانہ مداحی نہیں کرتا۔

(۳۹) در ہیچ سری نیست کہ اسراری نیست
دل را خبر از اندک و بسیاری نیست
ہر طایفۂ رو ندراہی در پیش
الا رہ عشق را کہ سالاری نیست

افضل کاشانی کی رباعیات میں بھی ایک ایسی رباعی موجود ہے۔ خدا جانے یہ اس سے مستخرج ہے یا وہ اس سے۔ مگر رباعی دیکھنے کے بعد یہ کہنا دشوار رہے کہ ایک کو دوسری سے تعلق نہیں رباعی افضل:

در ہیچ سری نیست کہ اسرار تو نیست
کو را خبر از اندک و بسیار تو نیست
ہر طایفہ گرفتہ کاری در دست
وانگاہ بدست ہیچ کس کار تو نیست

(۴۰) ترکیب طبایع چو بہ کام تو دمی است
تو داد کن از ہر چہ کہ ہر دم ستمی است

یا اہل خرد نشین کہ اصل من و تو
گردی و شراری و نسیمی و نمی است

یہ رباعی حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات میں بھی شامل ہے۔ المغنم البارد صفحہ ۶۹ میں مہدی کوکب میر منشی عہد نادری سے منسوب کی گئی ہے اور اس طرح پر نقل کی ہے :

چون حاصل عمر تو فریبی و دمی است
بیدار مکن گر ترا بہ ہر دم ستمی است
مغرور مشو بہ خود کہ اصل من و تو
گردی و شراری و نسیمی و نمی است

دنیا دیدی و ہر چہ دیدی ہیچ است (۱۴)
وان نیز گفتی و شنیدی ہیچ است
سرتاسر آفاق دویدی ہیچ است
وان نیز کہ در خانہ خزیدی ہیچ است

یہ رباعی بھی افضل کاشانی سے منسوب اور ان کی رباعیات میں موجود ہے۔ پہلا شعر یوں ہے :

افضل دیدی کہ ہر چہ دیدی ہیچ است
ہر قصہ کہ دیدی و شنیدی ہیچ است
سرتاسر آفاق دویدی ہیچ است
وان نیز کہ در کنج خزیدی ہیچ است

مجھے شبہ ہے کہ یہ رباعی کسی ہندی شاعر کی ہے۔ در خانہ خزیدن یا در کنج خزیدن ٹکسالی زبان فارسی نہیں ہو سکتی۔ ایک نسخہ میں دوسرا شعر اس طرح ہے:

ہر چند کہ ہر طرف دویدی ہیچ است
امروز کہ گوشہ گزیدی ہیچ است

لیکن جیسا در خانہ خزیدن اور در کنج خزیدن خلاف محاورۂ اہل ایران ہے اسی طرح (ہر طرف دویدی) بھی فصیح نہیں۔

(۴۲) ہیہات کہ این جسم مجسم ہیچ است
وین دائرۂ سطح مخیم ہیچ است
دریاب کہ در کشاکش موت و حیات
وابستہ یک دمیم و آن ہم ہیچ است

یہ رباعی تذکرہ ہفت اقلیم میں نصیر الدین طوسی المتوفی ۶۷۲ھ سے منسوب کی گئی ہے اور نسخہ مرتبہ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی میں بھی محقق طوسی سے منسوب کرتے ہوئے اس طرح پر نقل کی ہے:

ای بی خبر این شکل مجسم ہیچ است
وین دائرہ سطح مخیم ہیچ است
خوش باش کہ در نشیمن کون و فساد
وابستہ یک دمیم و آن دم ہیچ است

---

(۴۳) در عالم خاک باشیدم و رفت
صد دشمن و دوست برتراشیدم و رفت
با چون و چرائی تو مرا کاری نیست
چندانکه بداشتی بپاشیدم و رفت

یہ رباعی حضرت شیخ احمد غزالی المتوفی ۵۱۷ھ کی ہے جو شیخ ابو بکر نساج کے مرید اور حضرت امام محمد غزالیؒ کے بھائی تھے۔ تذکرۂ ہفت اقلیم۔ ذکر احمد غزالی۔

(۴۴) می خور کہ بزیر گل بسی خواہی خفت
بی مونس و بی حریف و بی ہمدم و جفت
زنہار بہ کس مگو تو این راز نہفت
ہر لالہ کہ پژمردہ نہ خواہد بشگفت

تذکرۂ روز روشن میں ایسی ہی رباعی ملا نور الدین خراسانی المتخلص بہ حافظ کے نام سے نقل کی ہے اور شمع انجمن میں حافظ علی حافظ کے نام سے۔

ہنگام سحر کہ نرگس و لالہ شگفت
مرغ سحری بہ نالہ و آہ بہ گفت
می نوش کہ بی نشہ بسی خواہد بود
برخیز کہ در خاک بسی خواہی خفت

خیام کی رباعی میں راز نہفت بجائے راز نہفتہ درست نہیں معلوم

ہوتا اہل زبان کے تصرف کے سوائے اور کیا کہا جائے۔ یا پھر کسی ہندی نے کہا کہ رباعیات خیام میں شامل کر دی ہے۔

(۴۵) بر چہرۂ گل شبنم نوروز خوش است
در صحن چمن روی دل افروز خوش است
از دی کہ گزشت ہر چہ گوئی خوش نیست
خوش باش ز دی مگو کہ امروز خوش است

یہ رباعی رباعیات عطار میں شامل ہے اور کلیات عطار مطبوعہ نولکشور میں صفحہ ۲۹۰ پر موجود ہے خیام کے رنگ کی رباعیاں عطار کے یہاں زیادہ سے زیادہ ملتی ہیں۔

(۴۶) ترس اجل و بیم فنا ہستی تست
ورنہ ز فنا شاخ بقا خواہد رست
من از دم عیسوی شدم زندہ بجان
مرگ آمد و از وجود من دست بشست

یہ رباعی بھی مجموعہ رباعیات افضل کاشانی میں موجود ہے اور یوں بھی اس کا بیان نہایت الجھا ہوا ہے جو خیام سے تعلق نہیں رکھتا۔

(۴۷) در خواب بدم مرا خردمندی گفت
کہ خواب کسی را گل شادی نہ شگفت
کاری چہ کنی کہ با اجل باشد جفت
بر خیز کہ زیر خاک می باید خفت

اسی قسم کی رباعی ابھی آپ نے دیکھی ہے:

می خور کہ بزیرِ گل بسی خواہی خفت

ممکن ہے کہ وہ اس رباعی سے مستخرج ہو یا یہ اس سے۔

(۴۸) این کہنہ رباط را کہ عالم نام است
آرامگہ ابلق صبح و شام است
بزمی است کہ وا ماندہ صد جمشید است
قصریست کہ تکیہ گاہ صد بہرام است

یہ رباعی کلیاتِ خاقانی میں خاقانی سے منسوب کی گئی ہے۔ خاقانی کے یہاں اس قسم کے عبرت انگیز مضامین کے قصاید اکثر پائے جاتے ہیں بلکہ اس قسم کے مضامین اس کا خاص حصہ ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ ہر قسم کے مضامین میں استاد کامل ہے۔

(۴۹) گردون کمری ز عمر فرسودہ ماست
جیحون اثری ز چشم پالودہ ماست
دوزخ شرری ز رنج بیہودہ ماست
فردوس دمی ز وقت آسودہ ماست

یہی رباعی تین شاعروں سے منسوب ہے۔ سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ المتوفی ۴۴۰ھ حافظ شیرازی المتوفی ۸۹۲ھ اور افضل کاشانی سے۔ افضل کی رباعیات میں دو رباعیاں اور اسی قسم کی موجود ہیں:

حلوائے جہاں غلام کشکینۂ ماست
دیبائی جہاں خرقہ پشمینہ ماست
از جام جہاں نمائی تا کی گوئی
صد جام جہاں نمائی در سینہ ماست

سرتاسر آفاق جہاں از گل ماست
سرچشمۂ عقل و روح کلی دل ماست
افلاک و عناصر و نبات و حیوان
عکس ز وجود نور وجود روشن کامل ماست

(۵۰) آن قصر کہ بہرام در و جام گرفت
آہو بچہ کرد و شیر آرام گرفت
بہرام کہ گور می گرفتی ہمہ عمر
بنگر کہ چگونہ گور بہرام گرفت

یہ رباعی بھی کلیات خاقانی مطبوعہ لکشور میں موجود ہے۔ چونکہ عبرت انگیز ہے اور اس سے پہلے (بہرام است) والی اس سے منسوب ہے یہ بھی اسی سے منسوب ہو سکتی ہے۔

(۵۱) از باد صبا دلم چو بوئی تو گرفت
ما را بگزاشت جستجوئی تو گرفت
اکنوں ز منش ہیچ نمی آید یاد
بوئی تو گرفتہ بود خوئی تو گرفت

رباعیات ابوسعید ابوالخیر میں ابوسعید ابوالخیرؒ سے منسوب ہے۔ اور آتشکدہ اذر میں مقصود تیر گر کے نام سے۔ مقصود کا اصل نام یوسف شاہ تھا جو مقصود درویش تیر گر کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بعض اور رباعیاں بھی تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ المنثم البارد صفحہ ۱۰۱ پر قلندر کے نام سے لکھی گئی ہے۔

(۵۲) من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست
تاریک دلم نور صفائے تو کجاست
مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی
این مزد بود لطف و عطائے تو کجاست

یہ رباعی شیخ عبداللہ انصاری کی ہے۔ تذکرہ آتشکدہ۔ تذکرہ حسینی۔ تذکرہ صبح گلشن سب اس خیال پر متفق ہیں۔ شیخ علی حزیں نے اسی رباعی سے گوشہ پیدا کر کے کیا خوب رباعی کہی ہے:

اے مطرب عاشقاں نوائی تو کجاست
اے ساقی جاں آب بقائی تو کجاست
گیرم دل من از نظرت افتاد است
گیرائی مژگاں رسائی تو کجاست

نیز خیام کے مجموعے میں مندرجہ بالا مضمون کی یہ رباعی بھی پائی جاتی ہے:

یارب تو کریمی و کریمی کرم است
عاصی زچہ رو بروں زباغ ارم است

باطاعتم ار بہ بخشی آں نیست کرم
بامعصیتم اگر بہ بخشی کرم است

(۵۳) تا کے ز چراغ مسجد و دود کنشت
تا کے ز زیان دوزخ و سود بہشت
رو بر سر لوح بین کہ استاد قضا
اندر ازل آنچہ بودنی بود نوشت

یہ رباعی عراقی سے منسوب ہے اور دیوان عراقی میں موجود ہے:

(۵۴) در مجلس دہر ساز ہستی پست است
نے چنگ بہ قاعدہ نہ دل بر دست است
رندان ہمہ ترک می پرستی کردند
جز محتسب شہر کہ دائم مست است

کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں اس رباعی کو لسان الغیب کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ شجاع سے منسوب کیا گیا ہے:

(۵۵) امشب کہ حضور یار جان افروز است
بختم بخلاف دشمنان فیروز است
گو شمع امیر و مہ فرو شو کہ مرا
آن شب کہ تو در کنار باشی روز است

یہ رباعی گو مجموعہ رباعیات خیام کشوری میں نہیں ہے۔ مگر نسخہ مطبوعہ

الہ آباد میں موجود ہے۔ یہ سعدی سے منسوب ہے اور کلیات سعدی نولکشوری میں موجود ہے مگر ایک نہایت قدیم نسخہ کلیات سعدی میں نہیں پائی جاتی پھر بھی خواہ یہ رباعی سعدی کی نہ ہو مگر خیام سے ایسے مضامین اشتیاقیہ اور عشقیہ کا تعلق نہیں :

(۵۶) از آتش این طایفہ جز دودے نیست
ور ہیچ کسم امید بہبودی نیست
دستی کہ ز دست چرخ بر سر دارم
در دامن ہر کہ میزنم سودے نیست

یہ رباعی ہفت اقلیم۔ اور تذکرہ حسینی میں سراج الدین قمری سے منسوب ہے۔ اور پہلا مصرعہ تذکرہ حسینی میں اس طرح ہے در آتش اہل عصر جز دودے نیست ایک رباعی اسی قسم کی لکھی جا چکی ہے چون آتش سودائی تو جز دود نہ داشت معلوم ہے کہ ان دونوں رباعیوں میں سے ایک دوسری سے نکالی گئی ہے۔ اگرچہ دونوں کے مطالب کے بدلنے کی کوشش کی گئی ہے :

(۵۷) بیگانہ اگر وفا کند خویش من است
ور خویش جفا کند بد اندیش من است
گر زہر موافقت کند تریاق است
ور نوش مخالفت کند نیش من است

یہ رباعی رباعیات افضل سے منسوب ہے۔ اور خیام کے رنگ سے

منسوب ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

(۵۸) تا بہ توانی غم جہاں ہیچ مسنج
بر دل منہ از آمدہ نا آمدہ رنج
خوش می خور و مے بخش دریں دار سپنج
با خود نبری گرچہ بسے داری گنج

یہ رباعی مجموعۂ رباعیات افضل میں موجود ہے۔ اور ان کے یہاں اس قسم کی اور رباعیاں بھی ہیں مثلاً:

با دل گفتم متاع دنیا عرض است
اسباب و زر و سیم سراسر مرض است
گیرم کہ ہمہ ملک جہاں آن تو شد
با خود چو جوے نمی بری چہ غرض است

---

(۵۹) دل گفت مرا علم لدنی ہوس است
تعلیم کن اگر ترا دسترس است
گفتم کہ الف گفت دگر ہیچ مگوی
در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

یہ رباعی عشقی کاشانی کی بتائی گئی ہے چنانچہ کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں آتش کدے کے حوالے سے عشقی سے منسوب کی ہے اور المغنم البارد صفحہ ۶۲ میں بھی عشقی ہی کے نام سے لائی گئی ہے مگر رباعیات افضل میں افضل کاشانی کے نام سے ہے اور افضل کے یہاں اس مصرعہ

پر اور بھی رباعیاں کہی گئی ہیں چناں چہ دو رباعیاں یہ ہیں :

اے خواجہ اگر ہمیں بہشتت ہوس است
خیرات بکن اگر ترا دسترس است
خیرات چو کردہ برو ایمن باش
درخانہ اگر کس است یکحرف بس است

شہر رشتہ عمر ما ہمیں یک نفس است
جز ذکر خدا ہر آنچہ گوئیم ہوس است
غافل ز قضا مباش و ایمن منشیں
درخانہ اگر کس است یکحرف بس است

(۶۰) بنگر ز جہاں چہ طرف بر بستم ہیچ
وز حاصل عمر چیست در دستم ہیچ
شمع طربم ولی چو بنشستم ہیچ
من جام جمم ولی چو بشکستم ہیچ

یہ رباعی کلیات خاقانی مطبوعہ کشوری میں خاقانی سے منسوب ہے۔ خاقانی کی ملک ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا مگر خیام کا طرز گفتار بھی نہیں ہے۔

(۶۱) آنہا کہ کہن شدند و آنہا کہ نو اند
ہر یک بمراد خویش یک بر سند
ایں سفلہ جہاں بکس نماند جاوید
رفتند و روند و دیگر آیند و روند

یہ رباعی مجموعہ رباعیات افضل کاشانی میں موجود ہے۔ ایک رباعی نصراللہ بن عبدالحمید کی تذکرہ ہفت اقلیم میں اس طرح پر نقل کی گئی ہے:

از مسند عز گرچہ ناگہ رفتیم
حمداللہ کہ نیک آگہ رفتیم
رفتند و شدند و تیز آیند و شوند
ما نیز توکلت علی اللہ رفتیم

خود مجموعہ خیام میں ایک ور رباعی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:
آنہا کہ فلک دیدہ و دہر آرایند
آیند و روند و بانہ باد دہر آیند

---

(۶۲) دل چراغی است کہ نور از رخ دلبر گیرد
ور بمیرد ز غمش زندگی از سر گیرد
صفت شمع بہ پروانہ ولی باید گفت
کیں حدیثی است کہ با سوختگاں در گیرد

یہ رباعی کی بحر نہیں ہے بلکہ قطعہ ہے اور نہ معلوم کس کا ہے۔ بہر حال نہ خیام کا رنگ ہے اور نہ اس کی رباعیوں کے مجموعے میں شامل ہونے کے قابل۔ کیوں کہ یہ بالکل متغزلانہ انداز ہے اور بہت ممکن ہے کہ کسی غزل کے دو شعر نقل ہو گئے ہوں:

(۶۳) بوسیدہ مرقع اند این خامی چند
نارفتہ رہ صدق و صفا گامی چند
بگرفتند ز طامات الف لامی چند
بدنام کنندۂ نکو نامی چند

اسی انداز کی یہ رباعی مجموعے میں موجود ہے۔

(۶۴) نابردہ بصبح در طلب شامی چند
ننہادہ بروں ز خویشتن گامی چند
در کسوت خاص آمدہ اند شامی چند
بدنام کنندۂ نکو نامی چند

دوسری رباعی تذکرہ آتش کدہ میں مغربی المتوفی ۸۰۹ھ سے منسوب ہے اور پہلی سے دوسری رباعی یا دوسری سے پہلی مستخرج مانی جا سکتی ہے۔ نیز پہلی رباعی رباعیات افضل میں افضل کاشانی کے نام سے موجود ہے۔ دیوان مغربی میں یہی رباعی موجود ہے۔

(۶۵) این قافلۂ عمر عجب می گزرد
دریاب دمی کہ با طرب می گزرد
ساقی غم فردائی حریفاں چہ جوری
پیش آر پیالۂ کہ شب می گزرد

یہ رباعی بھی افضل کاشانی کی رباعیات کے مجموعے میں موجود ہے:

(۶۶) بر چشم تو ار چہ عاشقاں بیگرایند
مگرائی بدانکہ عاشقاں نگرایند
برپائی نصیب خویش کت برپاپند
بسیار چو توشدند و بسیار آیند

یہ رباعی خیام مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ مولفہ و مرتبہ مولوی سید سلیمان صاحب ندوی میں ذرا اختلاف کے ساتھ ہے۔

گر جملہ جہاں بر تو می آرایند
مگرای بدرکہ زیرکان نگرایند

شعر دوم مصرع دوم مقدم اور مصرع اولیٰ موخر ہے۔ مگر مجموعۂ منتخبات اشعار مطبوعہ دارالمصنفین میں یہ رباعی حکیم سنائیؔ المتوفی ۵۳۰ یا ۵۳۵ھ سے منسوب ہے اور رباعیات افضل میں افضل کے نام سے۔ مصرع اوّل میں بر کی بجائے در اور عاشقاں کی بجائے عالمی اور دوسرے مصرع میں بجائے عاشقاں، عاقلاں ہے۔

(۶۷) آں کس کہ گناہ بہ نزد او سہل بود
ایں نکتہ بگوید او کہ اوراہل بود
علم ازلی علت عصیاں کردن
نزدیک حکیم، غایت جہل بود

کہا جاتا ہے کہ رباعی علامہ نصیر الدین محقق طوسی کی ہے جو انھوں نے اس رباعی موجودہ مجموعۂ خیام کے جواب میں کہی تھی:

من می خورم و ہر کہ چو من اہل بود
می خوردن من بہ نزد او سہل بود
می خوردن من حق بہ ازل میدانست
گر می نخورم علم خدا جہل بود

تاریخ گزیدہ مستوفی میں اس آخری رباعی کو سراج قمری کے نام سے منسوب کیا ہے اور اس طریقہ سے یہ دونوں رباعیاں خیام کی نہیں بلکہ وہ رباعی بھی جو محقق طوسی سے منسوب ہے سراج قمری کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ نصیر الدین طوسی کی ولادت ۵۹۵ھ اور وفات ۶۷۲ھ میں ہے۔ اور قمری بعد کا شاعر ہے جس کا زمانہ سات سو یا آٹھ سو ہجری تک ہے کیونکہ اس کے مناظرے اور مشاعرے عبید زاکانی سے ہوئے ہیں:

(۶۸) آں مرد نیم کز عدمم بیم آید
آں بیم مرا خوشتر ازیں سیم آید
جانی است مرا بہ عاریت دادہ خدا
تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید

یہ رباعی امام فخر الدین رازی سے منسوب ہے۔ ہفت اقلیم قلمی محفوظہ یونیورسٹی لائبریری لکھنؤ اور رباعیات افضل کاشانی میں افضل کے نام سے ہے۔ ردیف بجائے آید کے (بود) ہے۔

(۶۹) از واقعۂ ترا خبر خواہم کرد
وانرا بدو حرف مختصر خواہم کرد
با عشق تو در خاک فرو خواہم شد
با مہر تو سر زخاک بر خواہم کرد

تذکرہ آتشکدۂ آذر اور شمع انجمن میں یہ رباعی سلطان ابو یزید آل مظفر برادر شاہ شجاع سے منسوب کی ہے۔ المغنم البارد میں بھی اسی کا اتباع کیا گیا ہے۔ مگر کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں قطران بن منصور ترمذی کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ جو انوری کا استاد ہے۔ بالکل اسی مضمون کی رباعی شیخ نظام الدین المویدی کی ہے جو اخبار الاخیار شاہ عبدالحق رح میں منقول ہے:

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد
جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد
بر درد دلے بخاک در خواہم کرد
بر عشق سری زگور بر خواہم کرد

---

(۷۰) در عالم جاں بہ ہوش می باید بود
در کار جہاں خموش می باید بود
تا چشم و زبان و گوش برجا باشد
بے چشم و زبان و گوش می باید بود

اس رباعی کے متعلق بھی اس خیال سے کہ یہ رنگ خیام کا نہیں ہے محققین نے شبہ کیا ہے کہ یہ ناصحانہ انداز اس کا نہیں ہوسکتا ۔ اس قسم کی اور رباعیاں بھی ملتی ہیں چنانچہ پہلوان محمود بوریائی کی یہ رباعی :

با قوت پیل مور می باید بود
با ملک دو کون عور می باید بود
ایں طرفہ نگر کہ عیب ہر آدمئی
می باید دید و کور می باید بود — آتشکدہ

یا ——
در بند گرہ کشائی می باید بود
گمرہ شدہ رہ نمائی می باید بود
یک لحظہ ہزار سال می باید زیست
یکجائی ہزار جائی می باید بود — المغنم البارد ص ۱۰۲

یا ——
در راہ خدا جملہ ادب باید بود
تا جاں باقی است در طلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند
کم باید کرد و خشک لب باید بود — خواجہ باقی باللہؒ

یا ___ بر خود در مدح و ذم نمی باید زد
بیروں از حد قدم نمی باید زد
عالم ہمہ آئینہ حسن ازلی است
می باید دید و دم نمی باید زد سحابی استرآبادی

(۱۷) آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند
در کشف علوم شمع اصحاب شدند
رہ زین شب تاریک نبردند بروں
گفتند فسانہا و در خواب شدند

یہ رباعی سحابی استرآبادی المتوفی ۱۰۱۰ھ سے منسوب ہے۔ دنیا کے راز کا معلوم نہ ہونا ایک عام خیال ہے۔ حافظ کا ایک شعر اسی مضمون کا ہے:

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست
اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

خود مجموعۂ خیام میں یہ رباعی اسی مضمون کی ہے:

در چرخ بہ انواع سخن ہا گفتند
ایں بے خبراں گوہر دانش سفتند
واقف چو نہ گشتند بر اسرار فلک
اوّل زنجی زدند و آخر خفتند

---

(۷۲) تا بود دلم ز عشق محروم نہ شد
کم بود ز اسرار کہ مفہوم نہ شد
اکنوں کہ ہمی بنگرم از روی خرد
معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

تذکرۂ آتشکدہ۔ تذکرۂ روز روشن۔ مجموعۂ المغنم البارد میں یہ رباعی امام فخر الدین رازی سے منسوب کی گئی ہے اور اس طرح پر نقل کی ہے:

ہرگز دل من ز عشق محروم نہ شد
کم ماند ز اسرار کہ مفہوم نہ شد
ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز
معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

نیز رباعیات افضل میں بھی موجود ہے۔

(۷۳) آں عقل کہ در رہ سعادت پوید
روزی صد بار خود ترا می گوید
دریاب تو این یکدمہ صحبت کہ نۂ
آں ترہ کہ بدروند و دیگر روید

یہ رباعی بھی مجموعۂ رباعیات افضل میں موجود ہے اور دوسرا شعر اس طرح ہے:

زنہار نگہدار تو فرصت کہ نۂ
آں ترہ کہ بدروند و دیگر روید

(۷۴) در دہر ہر انکہ نیم نانی دارد
وز بہر نشست آشیانی دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسی
گو شاد بزی کہ خوش جہانی دارد

تذکرہ حسینی میں یہ رباعی غیاث الدین بلخی متخلص بہ ہمتی کے نام سے ہے نیز شمع انجمن میں ہمتی نام سے ہے مگر اس طرح کہ پہلے مصرع میں دردہر کی بجائے درخانہ اور دوسرا مصرعہ اس طرح۔ درگوشۂ شہر آشیانے دارد۔ چوتھے میں (گو شاد بزی) کی جگہ انصاف بدہ۔ اور کلیات خاقانی میں خاقانی کے نام سے ہے۔ رباعیات افضل میں افضل کے نام سے۔

(۷۵) روزی کہ جزائے ہر صفت خواہد بود
قدر تو بقدر معرفت خواہد بود
در حسن صفت کوش کہ در روز جزا
حشر تو بقدر معرفت خواہد بود

یہ رباعی مجموعۂ منتخبات قلمی دار المصنفین میں نصیر الدین طوسی کے نام سے ہے۔ المغنم البارد میں بھی صفحہ ۷۲ پر انھیں کے نام سے منسوب کی گئی ہے اور پہلا مصرع اس طرح ہے:
فردا کہ حساب شش جہت خواہد بود
نصیر الدین طوسی کے یہاں ایسی عارفانہ۔ ناصحانہ اور اخلاقی حکیمانہ

رباعیاں اور بھی ہیں۔ یہ رباعیات افضل میں بھی موجود ہیں۔

(۷۶) گویند بہشت و حور عیں خواہد بود
وانجا مئی ناب و انگبیں خواہد بود
گر ما می و معشوق پرستیم رواست
چوں عاقبت کار ہمیں خواہد بود

یہ رباعی دیوان حافظ میں موجود ہے۔ اور حافظ ہی کا رنگ ہے۔

(۷۷) آنروز کہ توسن فلک زیں کردند
آرایش مشتری و پرویں کردند
ایں بود نصیب ما ز دیوان قضا
مارا چہ گنہ قسمت ما ایں کردند

یہ رباعی مہستی گنجوی کی ہے جو بقول بعض تذکرہ نویسوں کے سلطان سنجر کی بزم عیش کی ایک مغنیہ تھی اور سلطان سنجر اس پر فریفتہ تھا اور بقول بعض بابر کی مطلوبہ تھی۔ اس کی ایک رباعی کے ساتھ تذکروں میں یہ قصہ بھی مذکور ہوا ہے۔ کہ سلطان کی محفل عیش گرم تھی۔ مہستی کو کسی ضرورت سے باہر جانا پڑا۔ رات کا وقت تھا اور سردی کا زور شور تھا۔ مہستی باہر گئی تو دیکھا چاروں طرف زمین پر برف جمی ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ کانپتی ہوئی واپس ہوئی تو بادشاہ نے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اس نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔ حال آنکہ بوڈلین لائبریری کے نسخے میں یہ رباعی

بھی خیام کے نام سے منسوب ہے :

شاہا فلکت اسپ سعادت زین کرد
وز جملہ خسرواں ترا تحسین کرد
تا در حرکت سمند زرین نعلت
بر گل ننہد پائی زمین سیمیں کرد

غرض کہ یہ نہایت ہی خوش گو شاعرہ تھی شاید اسی قسم کا کوئی اور واقعہ ہوگا جس پر یہ رباعی کہی گئی ہے بہر حال یہ رباعی مجموعۂ رباعیات افضل میں افضل کے نام سے اور رسالہ شیخ عبداللہ انصاری میں ان کے نام سے ہے۔ اگر تقدم زمانی اور قدامت کو ملحوظ رکھا جائے تو شیخ الاسلام عبداللہ انصاری سے بھی منسوب ہو سکتی ہے اور پھر اس کو تقدیر کے مسئلے پر محمول کیا جائے گا۔ ان کے رسالے میں موجود ہونے سے پورے طور پر خیال ہوتا ہے کہ انھیں کی رباعی ہے۔

(۷۸) عمرت تا کی بہ خود پرستی گزرد
یا در پی نیستی و ہستی گزرد
می خور کہ چنیں عمر کہ غم در پی اوست
آں بہ کہ بخواب یا بہ مستی گزرد

کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں آتش کدہ آذر کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ رباعی بہ ادنیٰ تغیر مجد ہمگر کے یہاں موجود ہے۔

(۷۹) خواہی کہ ترا رتبت اسرار رسد
میسند کہ کس راز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور
کیں ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

یہ رباعی سحابی کی رباعیات میں درج ہے اور شاہ سبحان سے بھی منسوب ہے۔

(۸۰) گویند ہر آن کساں کہ با پرہیز اند
زانکہ بمیرند چناں برخیزند
ما با مے و معشوق از انیم مقیم
بوتا کہ بحشر با چناں انگیزند

یہ رباعی بھی حافظ کے رنگ کی ہے اور دیوان حافظ مطبوعہ کشوری میں موجود ہے۔

(۸۱) گویند بہ حشر گفتگو خواہد بود
واں یار عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض جز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

یہ رباعی شاہ قاسم بن شاہ قوام الدین کی ہے۔ بلکہ اس کا دوسرا شعر اُنھوں نے اس خط میں بھی لکھا ہے جو میر غیاث الدین کو لکھا۔ تذکرۂ ہفت اقلیم۔ کشکول بہائی میں اس رباعی کو سحابی سے منسوب

کیا گیا ہے۔

(۸۲) خوش باش کہ ماہ عید نو خواہد شد
نے کار کسے بہ کار او خواہد شد
اے ساقی اگر بادہ دہی ور نہ دہی
می دان کہ سر حملہ فرو خواہد شد

یہ رباعی شیخ فریدالدین عطارؒ کے یہاں اس طرح پر موجود ہے:

ہرگز نہ جفائے کہنہ، نو خواہد شد
نے کار کسے بکام او خواہد شد
اے ساقی اگر مے دہی ور نہ دہی
می داں کہ سر حملہ فرو خواہد شد

---

(۸۳) دادم بہ امید روزگارے برباد
نابود ز روزگار خود روزے شاد
زاں مے ترسم کہ روزگارم نہ دہد
چندانکہ ز روزگار بستانم داد

یہ رباعی انوری کی ہے۔ چناں چہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور میں موجود ہے۔

(۸۴) آنہا کہ بہ فکر در معنی سفتند
در ذات خداوند سخن ہا گفتند

سررشتۂ اسرار نہ دانست کسے
اول زیچے زدند و آخر خفتند

یہ رباعی مجموعے کی اس رباعی سے تراشی ہے۔ یا وہ اس سے۔

(۸۵) در چرخ بہ انواع سخنہا گفتند
این بے خبراں گوہر دانش سفتند
واقف چو نہ گشتند بر اسرار فلک
اول زیچے زدند و آخر خفتند

---

(۸۶) فردا الم فراق طے خواہد شد
با طالع سعد قصہ مے خواہد شد
معشوقہ موافق است و ایام بہ کام
اکنون نہ کنم نشاط کے خواہد شد

یہ رباعی بھی شاید اس رباعی مجموعۂ خیام سے تراش کر شامل مجموعہ کی گئی ہے۔

(۸۷) من دامن زہد و توبہ طے خواہم کرد
با موے سپید قصد مے خواہم کرد
پیمانہ عمر من بہفتاد رسید
ایں دم نہ کنم نشاط کے خواہم کرد

---

(۸۸) بامے بہ کنار جوئے می باید بود
وز غصہ کنارہ جوئے می باید بود
ایں نزہت عمر ما چو گل دو روز است
خنداں لب و تازہ روئے می باید بود

یہ رباعی حافظ کی ہے۔ اور صحیح سے صحیح نسخوں میں موجود ہے۔ چونکہ حافظ کے یہاں شراب کی افراط ہے اس لیے ان سے منسوب ٹھہر سکتی ہے۔ تیسرا مصرع اس طرح ہے:

چوں عمر گرانمایہ ما دہ روز است

(۸۹) یک ناں بہ دو روز گر شود حاصل مرد
وز کوزۂ بشکستہ دم آبے سرد
مامور دگر کسے چرا باید بود
یا خدمت چوں خودے چرا باید کرد

صبح گلشن اور المغتنم البارد میں یہ رباعی ملا شمس الدین نیازی استرآبادی سے منسوب ہے۔ اور مصرع سوم میں (کسے دگر) کی بجائے (کم از خودے) اور وہی زیادہ صحیح اور موزوں ہے۔

(۹۰) کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد
وز سر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز سر قیاس چیزے گفتند
معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد

یہ رباعی امام محمد غزالیؒ سے بھی منسوب ہے ۔ دراصل یہ خیال کہ راز قدرت معلوم ہونا محال ہے، عام خیال ہے ۔ چنانچہ اس قسم کی رباعیاں خیام کے مجموعے میں بھی اکثر موجود ہیں ۔ المغنم البارد میں بھی افضل کاشانی سے منسوب کی گئی ہے ۔

(۹۱) چنداں برواین رہ کہ دوئی برخیزد
گر نیست دوئی ز رہروی برخیزد
تو او نہ شوی لیک اگر جہد کنی
جائے برسی کز تو توئی برخیزد

یہ رباعی افضل کاشانی سے منسوب ہے اور ان کے مجموعۂ رباعیات میں موجود ہے ۔

(۹۲) من مے خورم و ہر کہ چو من اہل بود
مے خوردن من بہ نزد او سہل بود
مے خوردن من حق ز ازل میدانست
گر مے نخورم علم خدا جہل بود

یہ رباعی سراج الدین قمری سے منسوب ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں ۔ اگر محقق طوسی کی رباعی اسی کے جواب میں ہے تو پھر قمری کی نسبت غلط ہوگی ورنہ یہ قصہ ہی غلط ہوگا کہ خیام نے یہ رباعی کہی اور محقق طوسی نے جواب دیا ۔ بہرحال تاریخ گزیدہ میں یہ رباعی قمری سے منسوب کی گئی ہے ۔ اور تیسرا مصرع یوں ہے :

می خوردنم ایزد بہ ازل مے دانست

---

(۹۳) آں ہا کہ جہاں زیر قدم فرسودند
واندر طلبش ہر دو جہاں پیمودند
آگاہ نمی شوم کہ ایشاں ہرگز
زیں حال چنانکہ ہست آگاہ بودند

---

(۹۴) از دفتر عمر پاک می باید شد
در دست اجل ہلاک می باید شد
اے ساقی خوش لقا تو خوش خوش مارا
آبے در دہ کہ خاک می باید شد

یہ دونوں رباعیاں افضل کاشانی کے مجموعۂ رباعیات میں موجود ہیں
اور انھیں سے منسوب کی گئی ہیں۔

(۹۵) مے خوارہ اگر غنی بود عور شود
وز عربدہ اش جہاں پر از شور شود
در حقۂ لعل از آں زمرد ریزم
تا دیدۂ افعی غمم کور شود

آتشکدۂ آذر میں اس رباعی کو شاہ شجاع المتوفی ۷۷۳ھ سے
منسوب کیا ہے۔ شاہ شجاع کے یہاں خمریاتی رباعیاں اور بھی

ہیں۔ یہ رباعی مجموعۂ رباعیات خیام بمبئی میں ہے۔

(۹۶) خطے کہ ز روئے یار بر خاستہ شد
تو ظن نہ بری کہ حسن او کاستہ شد
در باغ رخش بہر تماشا گہ جاں
گل بود بہ سبزہ نیز آراستہ شد

یہ رباعی عمعق بخاری شاعر دور سلطان سنجر سے منسوب ہے۔ ایسی صفاتی رباعیاں خیام سے منسوب نہیں ہو سکتیں۔ میرے نزدیک یہ رباعی بھی کسی ایسے موقع پر کہی گئی ہے جیسے کہ عنصری نے ایاز کی زلفوں کے ترشنے اور سلطان محمود کے مکدر ہونے پر فی البدیہہ یہ رباعی کہی تھی:

گر عیب سر زلف بت از کاستن است
نے جائے بہ غم نشستن و خاستن است
وقت طرب و نشاط و می خواستن است
کاراستن سرو ز پیراستن است

---

(۹۷) رفتیم زما زمانہ آشفتہ بماند
با آنکہ ز صد گہر یکے سفتہ بماند
افسوس کہ صد ہزار معنئ دقیق
از بیخبرئ خلق ناگفتہ بماند

یہ رباعی المعنم الباردہ میں شیخ الرئیس کے نام سے منسوب ہے۔ اور اس طرح نقل ہوئی ہے:

اسرار وجود خام و ناپختہ بماند
واں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس زسر قیاس حرفی گفتند
واں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

خیام میں مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے یہ رباعی برادنی تغیر الفاظ معلم ثانی ابونصر فارابی سے منسوب کی ہے۔ نیز مختار نامۂ عطار میں بھی ملتی ہے۔ اس قسم کی اور رباعیاں بھی مجموعۂ رباعیات خیام میں موجود ہیں۔ مگر منقولہ رباعی غلط بھی ہے اور مصرعے آپس میں مربوط نہیں۔

(۹۸) زاں پیش کہ گور سے زمن آگندہ شود
واجزائے مرکبم پراگندہ شود
اے بادہ سر از گور صراحی بردار
باشد کہ دل مردۂ من زندہ شود

خیام کے مجموعے کی ایک دوسری رباعی دیکھیے اور نتیجہ نکالیے کہ کیا وہ اس رباعی سے نکالی گئی ہے یا یہ اس سے:

آنگہ کہ نہال عمر برکندہ شود
واجزام زیکدگر پراگندہ شود

ورنہ آنکہ صراحی بہ کنند از گل ما
حالے کہ پر از بادہ کنی زندہ شود

---

(۹۹) ساقی علم سیاہ شب صبح ربود
برخیز و مے مغانہ را در دہ زود
بکشائے زہم دو نرگس خواب آلودہ
برخیز کہ خفتنت بسے خواہد بود

یہ رباعی کلیات خاقانی مطبوعۂ نول کشوری میں خاقانی کے نام سے ہے ۔ اس قسم کی اور رباعیاں بھی مجموعۂ خیام میں آپ نے دیکھی ہیں جیسے : برخیز کہ در خاک بسے خواہی خفت
یا :۔ مے خور کہ بزیر گل بسے خواہی خفت ۔

(۱۰۰) اے دل مطلب وصال معلولے چند
مشغول مشو بہ عشق مشغولے چند
بر امن آستان درویشان گرد
باشد کہ شوی قبول مقبولے چند

یہ رباعی مطبوعۂ کشوری میں نہیں ہے مگر بوڈلین لائبریری کے نسخے میں موجود ہے اور دوسرے نسخوں میں بھی پائی جاتی ہے مگر دراصل یہ سیف الدین باخرزی المتوفی ۶۵۸ ھ کی ہے ۔ چنانچہ مجموعۂ منتخبات دار المصنفین میں سیف الدین ہی کے نام سے ہے ۔

(۱۰۱) گر بت رخ تست بت پرستی خوشتر
در بادہ ز جام تست مستی خوشتر
در مستی عشق زاں سبب نیست شدم
کاں نیستی از ہزار ہستی خوشتر

کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں مولانا روم کے دیوان کا حوالہ دیتے ہوئے اس رباعی کو مولانا سے منسوب کیا ہے۔ المغنم البارد صفحہ ۸۵ میں بھی مولانا روم ہی کے نام سے لکھی گئی ہے۔

(۱۰۲) با یار خوشم جام شراب اولیٰ تر
وز دست غمم دیدہ پر آب اولیٰ تر
چوں عالم دوں وفا نخواہد کردن
در عالم دوں مست و خراب اولیٰ تر

اغلب کہ یہ رباعی حافظ کی اس رباعی کا مثنیٰ ہے:
ایام شباب است شراب اولیٰ تر
ہر غمزدہ مست مئی ناب اولیٰ تر
عالم ہمہ سر بسر خراب است و خراب
در جائے خراب ہم خراب اولیٰ تر

---

(۱۰۳) از چرخ بہ کام سر برافراشتہ گیر
وز عمر تمام بہرہ برداشتہ گیر

از گنج و گہر ہر چہ مراد دل تست
برداشتہ گیر و باز بگزاشتہ گیر

اس قسم کی رباعیاں اکثر لوگوں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ خواجہ فرید الدین عطار کے یہاں قریب قریب ایسی ہی رباعی ہے :

از عمر تمام بہرہ برداشتہ گیر
ہر تخم کہ دل می طلبد کاشتہ گیر
اول برخیز و گیر ہر چہ آوردی
آخر بہ دریغ جملہ بگزاشتہ گیر

کمال الدین اسماعیل اصفہانی المتوفی ۶۳۶ھ کی رباعی بھی ایسی ہی ہے:

ایوان سر بر فلک افراشتہ گیر
ویں زیر زمیں بگنج انباشتہ گیر
ویں سیم کہ جوجو بہمش می آری
خرمن خرمن بجائے بگزاشتہ گیر

ایک رباعی جو اسی مجموعۂ خیام میں شامل ہے یہ ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کی ہے :

کار ہمہ عالم بمرادت شدہ گیر
ویں عمر برفتہ و اجل آمدہ گیر
گفتی کہ بکام خویش دستے بزنم
خود نتوانی و گر توانی زدہ گیر

---

(۱۰۴) اے دل ہمہ اسباب جہاں خواستہ گیر
ویں خانہ پر از نعمت و آراستہ گیر
خوش باش درین نشیمنِ کون و فساد
روز دو سہ بنشستہ و برخاستہ گیر

یہ رباعی بھی اسی قسم کی ہے جو مجموعۂ خیام میں شامل ہے مگر کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں آتش کدہ کے حوالے سے شاہی سبزواری سے منسوب کی گئی ہے۔

(۱۰۵) اے دل ہمہ اسباب جہاں خواستہ گیر
باغ طربت بہ سبزہ آراستہ گیر
وانگاہ بران سبزہ شبے چوں شبنم
بنشستہ و بامداد برخاستہ گیر

ہفت اقلیم میں یہ رباعی عاکفی گیلانی کی طرف منسوب کی گئی ہے اور صبح گلشن میں بھی اسی کا اتباع کیا ہے۔ عطارؒ کی ایک دوسری رباعی اسی اندازہ کی ہے:

ہر رنگ کہ ممکن است آمیختہ گیر
ہر فتنہ کہ ساکن است انگیختہ گیر
وین روے چو ماہ آسمانت بدریغ
از صرصر مرگ بر زمیں ریختہ گیر

نظام الدین سہیلی کی یہ رباعی بھی اسی مضمون کی ہے:

برخیز و لوائے دولت افراشتہ گیر
دنیا ہمہ در زیر نگیں داشتہ گیر
آفاق از آن خویش پنداشتہ گیر
آخر ز جہاں رفتہ و بگذاشتہ گیر

---

(۱۰۶) بازے بودم پریدہ از عالم راز
بو تا کہ برم دمے نشیبے بہ فراز
ایں جا چو نیافتم کسے محرم راز
زاں در کہ در آمدم بروں رفتم باز

یہ رباعی شیخ فریدالدین عطارؒ کی ہے۔ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی میں شیخ فریدالدین عطارؒ کے بیان میں درج ہے اور بجائے "بازے بودم"، "مرغے بودم" اور دوسرے مصرعے میں "ز صعب صیدے بہ فراز"، تیسرے میں "چوں ہیچ کسے نیافتم" ہے۔ یہ رباعی مجموعۂ رباعیات افضل میں موجود ہے اور شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ سے بھی منسوب ہے۔

(۱۰۷) بر روئے گل از ابر نقاب است ہنوز
در طبع دلم میل شراب است ہنوز
در خواب مرو چہ وقت خواب است ہنوز
جاناں بے خور کہ آفتاب است ہنوز

یہ رباعی بھی شیخ فریدالدین عطارؒ سے منسوب ہے اور ان کی رباعیات کے مجموعے مختار نامے میں موجود ہے۔

(۱۰۸)
مے پرسیدی کہ چیست ایں نقش مجاز
گر بر گویم حقیقتش ہست دراز
نقشے است پدید آمدہ از دریائے
وانگاہ شدہ بہ قعر آں دریا باز

یہ رباعی بھی شیخ فریدالدین عطارؒ کی ہے مختار نامے میں موجود ہے۔ منتخبات دارالمصنفین میں بھی انھیں سے منسوب ہے اور حقیقتاً یہ رنگ تصوف انھیں کا حصہ ہے۔

(۱۰۹)
اے واقف اسرار ضمیر ہمہ کس
در حالت عجز دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر
اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

یہ رباعی شاہ ابوسعید ابوالخیرؒ کی ہے اور ان کی اس طرح کی بہت سی رباعیاں ہیں۔ المغنم البارد صفحہ ۱۰۴۔ مولانا جامی کی اسی قسم کی رباعی سنیئے:۔

اے فضل تو دستگیر من، دستم گیر
سیر آمدہ ام زخویش دستم گیر
تا چند کنم توبہ و تا کے شکنم
اے توبہ دہ توبہ شکن دستم گیر

(۱۱۰) از حادثۂ زماں آئندہ مپرس
وزہر چہ رسد چو نیست پایندہ مپرس
ایں یک دم نقد را غنیمت میداں
از رفتہ میندیش وز آئندہ مپرس

کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں اس رباعی کو مولانا روم سے منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ دیوان مولانا روم میں موجود ہے۔
المغنم البارد صفحہ ۱۸۸ میں یہ رباعی شیخ فریدالدین عطارؒ کے نام سے لکھی گئی ہے:

اے ذرہ ز اندازۂ ذرات مپرس
یک وقت نگہدار ز اوقات مپرس
قصہ چو کنی دراز در غصہ بسوز
در صنع نگہ میکن وا ز ذات مپرس

یہی رباعی افضل کاشانی کی رباعیات میں موجود ہے:

(۱۱۱) مرغے دیدم نشستہ بر بارۂ طوس
در پیش نہادہ کلۂ کیکاوس
با کلہ ہمی گفت کہ افسوس افسوس
کو بانگ جرسہا و کجا نالۂ کوس

المغنم البارد صفحہ ۱۸۸ میں یہ رباعی شیخ ابوالحسن بلخی کے نام سے اس طور پر درج ہے:

دوشم گزر افتاد بویرانۂ طوس
دیدم چغدے نشستہ برجائے خروس
گفتم چہ خبر داری ازیں ویرانہ
گفتا خبر ایں است کہ افسوس افسوس

---

(۱۱۲)
با روئے نکو شراب روشن درکش
با دوست دل از جفائے دشمن درکش
با سادہ رخے نشین و بگذر از خویش
پیراہن کبر و ہستی از تن درکش

دیوان حافظ کے ایک قدیم مطبوعہ نسخے میں یہ رباعی اس طرح پائی جاتی ہے ۔ یہ نسخہ ۱۸۰۸ء میں کلکتہ میں میجر ایچ ۔ ایس جریٹ صاحب بہادر کے اہتمام سے طبع ہوا ۔ یہ رباعی نسخۂ کشمیری میں بھی موجود ہے :

اے دوست دل از جفائے دشمن درکش
با روئے نکو شراب روشن درکش
با اہل ہنر گوئے گریباں بہ کشائے
وز نا اہلاں تمام دامن درکش

---

(۱۱۳) غم چند خوری ز کار نا آمدہ پیش
رنج است نصیب مردم دور اندیش
خوش باش و جہاں تنگ مکن بر دل خویش
کز خوردن غم قضا نگردد کم و بیش

یہ رباعی رباعیات افضل کاشانی میں موجود ہے۔ المغنم البارد میں بھی افضل ہی کے نام سے لکھی گئی ہے۔

(۱۱۴) اے دل مطلب ز دیگراں مرہم خویش
خود باش بہر درد دلی مرہم خویش
تنہا بہ نشین و خویشتن خور غم خویش
از ہمدمت آرزو کند ہمدم خویش

یہ رباعی افضل کاشانی کی رباعیات میں موجود ہے۔ تذکرہ ہفت اقلیم میں تغییر ذیل کے ساتھ کمال اسماعیل سے منسوب کی گئی ہے۔ دوسرا شعر اس طرح ہے:

تنہا بہ نشین و خود ہمی خور غم خویش
در ہمدمت آرزو کند ہمدم خویش

---

(۱۱۵) ایام شباب رفت و خیل و حشمش
تلخ است مرا عیش و لی می چشمش
این قامت ہمچو تیر من گشتہ کماں
زہ کردہ ام از عصا و خوش می کشمش

تذکرہ شمع انجمن صفحہ ۵۲ مطبوعہ ۱۲۹۳ھ میں یہ رباعی احمد خان بادشاہ گیلان المتوفی ۹۲۰ھ سے منسوب کی گئی ہے:

در کارگہ کوزہ گرے رفتم دوش
دیدم دو ہزار کوزہ گویا و خموش
ہر یک بزبان حال بامن گفتند
کو کوزہ و کو کوزہ گر و کوزہ فروش

یہ رباعی بھی رباعیات افضل میں موجود ہے۔ سعدی کا ایک قطعہ کیا خوب ہے:

نرفت از دلم قول آں کاسہ گر
کہ می گفت با کاسۂ پُر خطر
ندانم کہ سنگ سپہر قضا
ترا بشکند بیشتر یا مرا

---

(۱۱۶) ہاں صبح دمید و دامن شب شد چاک
برخیز و صبوح کن چرائی غمناک
مے نوش ہلا کہ صبح بسیار دمد
او روئے بما کردہ و ما روئے بخاک

یہ رباعی شیخ فرید الدین عطارؒ کی ہے اور مختار نامے میں موجود ہے۔ مختار نامے میں اس قسم کی رباعیاں بہت ہیں۔ (ہاں)

کی جگہ (چوں) اور دوسرے شعر کے مصرع اولی میں (ہلا) کی بجائے (دمے) ہے۔

(۱۱۷) باسرو قدے تازہ تر از خرمن گل
از دست مدہ جام مے و دامن گل
زاں بیش کہ ناگہ شود از گرگ اجل
پیراہن عمر تو چو پیراہن گل

آتشکدۂ آذر میں یہ رباعی کمال اسماعیل اصفہانی کے منتخبات میں نقل کی گئی ہے۔

(۱۱۸) اسرار حقیقت نہ شود حل بہ سوال
نے نیز بہ در باختن حشمت و مال
تا جاں نہ کنی خوں نخوری پنجہ سال
از قال ترا رہ نہ نماید بہ حال

نفحات الانس مولانا جامی میں یہ رباعی شیخ اوحدین حامد الکرمانی المتوفی ۶۳۵ھ کے نام سے لکھی گئی ہے۔ دوسری جگہوں میں بھی انھیں سے منسوب ہے۔ مگر المغنم البارد میں قلندر کے نام سے ہے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ کون سے قلندر ہیں۔

(۱۱۹) از جرم حضیض خاک تا اوج زحل
کردم ہمہ مشکلات گردوں را حل
بیروں جستم ز بند ہر مکر و حیل
ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل

بعض ہم معنی الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ رباعی شیخ بوعلی سینا سے منسوب ہے۔ سوانحعمری بوعلی سینا۔ تذکرہ صبح گلشن صفحہ ۱۱۲۔ مجمع الفصحا۔ منتخبات دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

(۱۲۰) گر من گنہ روئے زمیں کردستم
عفو تو امید است کہ گیرد دستم
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم
عاجز تر ازیں مخواہ کاکنوں ہستم

نفحات الانس مولانا جامی میں یہ رباعی اس قصے کے ساتھ شیخ سیف الدین باخرزی المتوفی ۶۵۸ھ سے منسوب کی گئی ہے۔ کہ ایک درویش کا جنازہ جارہا تھا شیخ بھی موجود تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت تلقین میت فرمایئے۔ آپ میت کے سامنے آئے اور یہ رباعی ارشاد فرمائی۔ تذکرہ حسینی میں بھی یہی قصہ بیان کیا گیا ہے۔

(۱۲۱) با نفس ہمیشہ در نبردم چہ کنم
وز کردۂ خویشتن بہ دردم چہ کنم
گیرم کہ زمن در گزرانی بہ کرم
آں شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

یہ رباعی مولانا فخرالدین عراقی کی ہے اور ان کے دیوان میں موجود ہے۔ امیر خسرو دہلوی المتوفی ۷۲۵ھ کی رباعی بھی ایسی

ہی ہے:

یارب چو زعقل خود تباہم چہ کنم
وز گیسو و زلف روسیاہم چہ کنم
گیرم بہ کرم گناہ من عفو کنی
آں شرم کہ دیدہ گناہم چہ کنم

مرزا غالب نے ایک نیا گوشہ پیدا کرکے یہ شعر خوب کہا ہے:

ہفت دوزخ در نہاد شرمساری مضمر است
انتقام است اینکہ با مجرم مدارا کردہ

یارب تو گلم سرشتہ من چہ کنم
پشم و قصبم تو سرشتہ من چہ کنم
ہر نیک و بدی کہ از من آید بہ وجود
تو بر سر من نوشتہ، من چہ کنم

یہ رباعی رباعیات افضل میں شامل ہے۔ شیخ فریدالدین عطار کی ایسی ہی رباعی یہ ہے:

چوں ماے نہ رہانیم زمن، من چہ کنم
سیر آمدہ ام زجان و تن من چہ کنم
من می خواہم کہ راہ یابم سوئے تو
رہ تو نہ دہی بخویشتن، من چہ کنم

(۱۲۲) گویند مرا کہ مے پرستم ہستم
گویند مرا فاسق و مستم ہستم
در ظاہر من نگاہ بسیار مکن
کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

یہ رباعی شیخ ابوالحسن خرقانی سے منسوب ہے۔ خیام مولوی سید سلیمان صاحب ندوی صفحہ ۱۴۱۔ اسی رباعی سے غالباً خیام کے مجموعے میں یہ رباعی تراش کر شامل کی گئی ہے:

گر من ز مے مغانہ مستم، ہستم
گر کافر و گبر و بت پرستم، ہستم
ہر طایفۂ بہ من گمانے دارد
من زانِ خودم چنانکہ ہستم، ہستم

---

(۱۲۳) گفتم کہ دگر چشم بہ دلبر نہ کنم
صوفی شوم و گوش بہ منکرم نہ کنم
دیدم کہ خلافِ طبعِ موزونِ من است
توبہ کردم کہ توبہ دیگر نہ کنم

یہ رباعی مجموعہ رباعیات کشوری میں نہیں ہے۔ مگر مطبوعۂ الہ آباد میں ہے۔ یہ کلیات سعدی کشوری میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک بہت صحیح اور قدیم نسخہ مطبوعۂ کلکتہ میں بھی موجود ہے۔

(۱۲۴) اے چرخ زگردش تو خرسند نیم
آزاد م کن کہ لایق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نااہل است
من نیز چناں اہل و خرد مند نیم

آتشکدۂ آذر میں یہ رباعی اثیر الدین اومانی کی طرف منسوب کی گئی ہے اثیر الدین کمال اسماعیل کا معاصر اور نہایت جید شاعر تھا۔

(۱۲۵) ماکز مے بیخودی طرب ناک شدیم
وز پایۂ دوں برسر افلاک شدیم
آخر ہمہ زالایش تن پاک شدیم
از خاک برآمدیم و برخاک شدیم

موزوں الملک لطفی فرزند عرفی کمان گر کے یہاں یہ رباعی پائی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ رباعی اس سے مستخرج ہے یا یہ اس سے:

یک چند پے گردش افلاک شدیم
یک چند پے دانش و ادراک شدیم
از آمد و رفتِ خود ہمی فہمیدیم
کز خاک برامدیم و درخاک شدیم

(۱۲۶) ما خرقۂ زہد در سرِ خم کردیم
وز خاک خرابات تیمم کردیم
باشد کہ درون میکدہ دریابیم
عمرے کہ درون مدرسہ گم کردیم

یہ رباعی امام محمد غزالی رح المتوفی ۵۰۵ھ کی ہے۔ تذکرۂ شمع انجمن۔ مجمع الفصحا۔ روضات الجنات اور الغزالی مولفہ مولانا شبلی میں انھیں سے منسوب کی گئی ہے اور مصرع اولی میں (ما خرقہ) کی بجائے (ما جامہ) ہے۔ نسخہ مجموعۂ خیام جے نراین ورما مطبوعہ ۱۹۰۵ء میں اس طرح ہے:

ماجامہ نمازی بہ سر خم کردیم
خود را لمبیٔ لعل چو مردم کردیم
در کوے خرابات مگر بتواں یافت
آں عمر کہ در صومعہ ہا گم کردیم

---

(۱۲۷) من بادہ خورم ولیک مستی نہ کنم
الا بہ قدح دراز دستی نہ کنم
دانی غرضم زمی پرستی چہ بود
تا ہمچو تو خویشتن پرستی نہ کنم

یہ رباعی کمال اصفہانی کی ہے اور ان کے کلیات میں موجود ہے۔ بجائے (من بادہ خورم) (من باز خورم) ہے۔

(۱۲۸) چوں نیست مقام ما دریں دیر مقیم
پس بے مے و معشوق عذابی است الیم
تا کے ز قدیم و محدث ای مرد سلیم
چوں من رفتم جہاں چہ محدث چہ قدیم

مجھ سے بعض حضرات نے کہا کہ یہ رباعی سنائی کی ہے۔ تلاش کرنے پر سنائی کے یہاں مجھے نہیں ملی مگر حکیم سنائیؒ کی ایک ایسی ہی رباعی نفحات الانس میں میری نگاہ سے گزری، جو یہ ہے:

قایم بہ خودی ازاں شب و روز مقیم
بمیت ز سموم است و امیدت بہ نسیم
با مانہ ز آب و آتشت باشد بیم
چوں سایہ شدی ترا چہ جیحوں چہ جحیم

---

(۱۲۹) ما حاصل عمری بہ دمی بہ فروشیم
صد خرمن شادی بہ غمی بہ فروشیم
در یک دم اگر ہزار جاں دست دہد
در حال بہ خاک قدمی بفروشیم

یہ رباعی مجموعۂ خیام مطبوعہ نول کشور میں موجود نہیں ہے مگر دوسرے نسخوں میں موجود ہے۔ دراصل یہ رباعی شیخ سعدی کی ہے اور قدیم سے قدیم نسخوں میں بھی موجود ہے۔

(۱۳۰) یک چند بہ کودکی بہ استاد شدیم
یک چند بہ استادی خود شاد شدیم
پایان سخن شنو کہ ما را چہ رسید
از خاک بر آمدیم و بر باد شدیم

یہ رباعی تھوڑے تفاوت اور تغیر سے دیوان مولانا روم میں موجود ہے۔

(۱۳۱ بر مفرش خاک خفتگان می بینم
در زیر زمیں نہفتگان می بینم
چنداں کہ بصحرائی عدم می نگرم
ناآمدگاں و رفتگاں می بینم

یہ رباعی شیخ فرید الدین عطارؒ کی ہے جو مجموعۂ رباعیات یعنی مختار نامے میں موجود ہے۔ اور اسی مضمون کی اکثر رباعیاں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

(۱۳۲ ہر گہ کہ دریں سبزہ طربناک شدیم
مانندۂ سبزہ خنگ افلاک شویم
با سبز خطاں سبزہ خورم در سبزہ
زاں پیش کہ زیر سبزہ در خاک شویم

یہ رباعی آتشکدے میں شاہ شجاع المتوفی ۷۷۳ھ کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔

(۱۳۳ آں بہ کہ زجام و بادہ دل شاد کنیم
وز نامدہ و گزشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتی رواق زندانی را
یک لحظہ ز بند عقل آزاد کنیم

یہ رباعی دیوان حافظ میں موجود ہے اور بھی رباعیاں اس قسم کی

ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

(۱۳۴) صبح است دمی بر مے گلرنگ زنیم
وین شیشۂ نام وننگ بر سنگ زنیم
دست از امل دراز خود باز کشیم
در زلفِ دراز و دامن چنگ زنیم

ہفت اقلیم میں یہ رباعی جمال الدین ابہری کے ساتھ منسوب کی گئی ہے اور (دمے) کی بجائے (بیا)، (خود) کے بجائے (خوش)، (دامن) کی بجائے (حلقہ) ہے۔

(۱۳۵) گل گفت کہ من یوسف مصر چمنم
یاقوت گرانمایہ بر زر دہنم
گفتم چو تو یوسفی نشانے بنمائے
گفتا کہ بخوں غرقہ نگر پیرہنم

گل کے متعلق سوالات وجوابات کی بہت سی رباعیاں مختار نامہ عطار میں موجود ہیں۔ اگرچہ تلاش سے یہ رباعی تو مجھے نہیں ملی مگر میرا یہ خیال یقین کی حد پر ہے کہ یہ رباعی بھی شیخ عطارؒ کی ہے۔ اس کے متعلق ایک جواب موجود ہے، ملاحظہ ہو:

با گل گفتم چو یوسف کنعانی
در مصر چمن ترا رسد سلطانی
گل گفت کہ من یک ورقم از ہر باب
خود یک ورق است اینکہ تو بر میخوانی

ایک اور رباعی احتیاطاً نقل کی جاتی ہے ورنہ سب کو نقل کرنا تو بڑا کام ہے:

گل گفت کہ دست زرفشاں آوردم
خنداں خنداں گل بجہاں آوردم
بند از سر کیسہ گرفتم رفتم
ہر نقد کہ بود تا میاں آوردم

---

(۱۳۶) اسرار ازل را نہ تودانی و نہ من
ویں حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو
چوں پردہ بر افتد نہ تو مانی و نہ من

یہ رباعی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی ہے۔ المغنم البارد۔ آتشکدہ۔ اور ایک تذکرۂ قلمی سب اسی پر متفق ہیں۔ رباعیات عطار میں اس قسم کی رباعیوں کا ایک پورا باب ہے جن میں سے دو ایک نقل کرتا ہوں:

آں سر عجب کہ نی تو دانی و نہ من
حل کردن آں نی تو توانی و نہ من
یک ذرہ گر آشکارہ گردد آں سر
یک ذرہ ہمی نی تو بمانی و نہ من

چیزیکہ درو نہ تو درانی و نہ من
کشف است کہ آرا نہ تو دانی و نہ من
برخیزد اگر پردۂ پندار از پیش
او ماند و او، نی تو بمانی و نہ من

---

(۱۳۷) برخیز و مخور غم جہان گزراں
خوش باش دمی بہ شادمانی گزراں
در طبع جہاں اگر وفائی بودی
نوبت بہ تو خود نیامدی از دگراں

آتشکدۂ آذر ۔ تذکرۂ صبح گلشن اور تذکرۂ قلمی میں یہ رباعی کمال اسماعیل اصفہانی سے منسوب ہے ۔ اور کمال کے یہاں اس قسم کی اور رباعیاں بھی موجود ہیں ۔

(۱۳۸) بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن
بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات روِ من بخشائے
بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

مجھے صحیح پتہ نہیں چلا کہ یہ رباعی کس کی ہے مگر اس قسم کی دوسری رباعیاں دوسرے شاعروں کے یہاں ملیں جن میں سے قاسم کی یہ رباعیاں نقل کی جاتی ہیں ۔ المغتنم البارد صفحہ ۷۵ :

بر دیدۂ چوں سحاب من رحمت کن
بر سیل سرشک ناب رحمت کن
بر جان و دل خراب من رحمت کن
بر زاری و اضطراب من رحمت کن
بر نالہ و بر زاری من رحمت کن
بر مفلسیٔ و خواریٔ من رحمت کن
بر گریہ و بیداری من رحمت کن
بر فقر و نگونساریٔ من رحمت کن

حکیم مومن خاں مومن دہلوی نے اس مضمون میں ایک نیا گوشہ پیدا کر کے یہ رباعی کہی ہے:

یارب نظرے بچشم خوں بارم کن
رحمے بہ دل سوختۂ زارم کن
گر در خور آتشم بدوزخ مسپار
یک شعلہ ز برق طور در کارم کن

---

(۱۳۹) ایں چشم پیالہ بیں بہ جان آبستن
ہمچوں سمنے بہ ارغواں آبستن
نے نے غلطیم کہ بادہ از غایت لطف
آبے است باتش دوراں آبستن

آتشکدہ آذر میں یہ رباعی عسجدی المتوفی ۴۳۲ھ سے منسوب کی گئی ہے۔ ہفت اقلیم میں بہاء الدین قزوینی کے نام سے ہے۔ بجائے "چشم" کے "جسم" ہے اور یہی صحیح ہے۔

(۱۴۰) دوش از سر روح از صفائے دل من
در مے کدہ آں روح فزائے دل من
جامے بمن آورد کہ بستان و بہ نوش
گفتم نہ خورم گفت برائے دل من

یہ رباعی مولانا لطف اللہ نیشاپوری المتوفی ۷۸۶ھ کی ہے۔ خزانۂ عامرہ میں مولانا آزاد بلگرامی نے اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ وہ وقت وفات تنہا تھا اور یہ رباعی ایک پرچۂ کاغذ پر لکھی ہوئی اس کے ہاتھ میں پائی گئی۔ المعجم البارد اور دولت شاہ کے تذکرے میں اسی سے متعلق بتائی ہے۔ تذکرۂ دولت شاہ میں مولانا لطف اللہ کا سال وفات ۸۱۰ھ بتایا گیا ہے۔ کاس الکرام میں اس رباعی کو آتشکدے کے حوالے سے قتالی سے منسوب بتایا گیا ہے مگر مجھے قتالی کے یہاں نہیں ملی۔ پہلا مصرع اس طرح پر ہے:

دوشینہ بے صدق وصفائے دل من

(۱۴۱) جانہا ہمہ آب گشت و دلہا ہمہ خوں
تا چیست حقیقت از پس پردہ بروں
اے با علمت خرد و زگردوں ہمہ دوں
اے از تو جہاں پر و تو از وے بیروں

یہ رباعی نفحات الانس مولانا جامی میں حکیم سنائی رح کی رباعیوں میں لکھی ہے اور چونکہ اس قسم کی اکثر رباعیاں سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موجود ہیں لہذا بہت ممکن ہے کہ یہ بھی انھیں کی ہو۔ خیام کے مجموعے میں اس قسم کی صوفیانہ رباعیاں نہیں ہیں۔ اور ہیں تو وہ الحاقی ہیں۔

(۱۴۳) احوال جہاں بر دلم آساں می کن
وافعال بدم ز خلق پنہاں می کن
امروز خوشم بدار و فردا با من
آنچہ از کرم تو می سزد آں می کن

تذکرۂ حسینی میں یہ رباعی شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے لکھی گئی ہے اور تذکرہ ہفت اقلیم میں شاہ شجاع کے نام سے لائی گئی ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ شیخ ابوسعید رح کی ہے کیونکہ ان کی اکثر رباعیاں اس قسم کی ہیں۔ جن میں آیات و اسما کے افعال وخواص بتائے گئے ہیں۔ چنانچہ مولف تذکرۂ حسینی نے اس رباعی کے بارے میں بھی یہ لکھا ہے: "ایں رباعی جہت اخفائے افعال ذمیمہ و آسانی مشکلات وحصول نعمات دنیوی و اخروی در نصف اللیل بقدر مقدور بخواند اثر اسم یا ستار یا میسر دارد۔" اسی طرح اور بھی رباعیاں انھوں نے نقل کی ہیں۔

(۱۴۳) رندے دیدم نشستہ بر خنگ زمیں
نے کفر نہ اسلام نہ دنیا و نہ دیں
نے حق نہ حقیقت نہ شریعت نہ یقیں
اندر دو جہاں کرا بود زہرہ ایں

تذکرہ ہفت اقلیم ذکر شیخ قطب الدین حیدر میں یہ رباعی خواجہ رکن الدین محمود شاہ سنجان المتوفی ۵۹۷ھ کی بتائی گئی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ رباعی انھوں نے شیخ قطب الدین حیدر المتوفی ۶۵۲ھ کی مدح میں کہی تھی۔ شیخ قطب الدین حیدر اپنے وقت کے بڑے باکمال صاحب کشف بزرگ تھے اور ان کو شاہ ابدال کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ نفحات الانس مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ میں ان کا نام قطب الدین مودود بتایا گیا ہے اور یہی صحیح ہے ان کے خلف شیخ احمد مودود تھے۔

(۱۴۴) دارم زجفائے فلکِ آئینہ گوں
وز گردش روزگارِ خس پرور دوں
از دیدہ رخے ہمچو پیالہ پر اشک
در سینہ دلے ہمچو صراحی پر خوں

ہفت اقلیم میں یہ رباعی امیر یمین الدین طغرائی فریوبدی المتوفی ۷۳۷ھ سے منسوب ہے۔ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں یہ قصہ بھی اس کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ یہ رباعی امیر مذکور نے اپنے بیٹے

امیر محمود بن یمین کو لکھی تھی اس نے جواب میں یہ رباعی لکھ کر بھیجی :

دارم ز جفائے فلک آئینہ گوں
پر آہ دلے کہ سنگ از و گردد خوں
روزے بہ ہزار غم بشب می آرم
تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیروں

---

(۱۴۵) از آمدن و رفتن ما سودے کو
وز تار امید عمر ما پودے کو
در چنبر چرخ جاں چندیں پاکاں
مے سوزد و خاک مے شود دودے کو

تذکرۂ ہفت اقلیم میں یہ رباعی افضل الدین محمد افضل سے منسوب ہے جو سلطان محمود غازی کے زمانے کا شاعر ہے۔ دوسرے مصرع میں (چنبر چرخ) کے بجائے (روزن عمر) ہے حافظ کے دیوان میں بھی موجود ہے۔

(۱۴۶) یاقوت لبے لعل بدخشانے کو
وان راحت روح و راح ریحانے کو
مے گرچہ حرام در مسلمانی شد
تو مے خور و غم مخور مسلمانے کو

یہ رباعی کاس الکرام شرح رباعیات خیام میں کلیات سلمان ساوجی مطبوعہ بمبئی کا حوالہ دیتے ہوئے مغربی المتوفی ۸۰۹ھ منسوب بتائی گئی ہے۔

(۱۴۷) در دیدۂ تنگ مور نور است از تو
در پائے ضعیف پشہ زور است از تو
ذات تو سزاست مر خداوندی را
ہر وصف کہ ناسزاست دور است از تو

ہفت اقلیم میں یہ رباعی ملک الکلام عمر بن محمد الحرقابادی کی طرف منسوب کی گئی ہے اور پہلے مصرع میں بجائے "در دیدۂ تنگ مور" کے "در چشم حقیر مور" ہے۔

(۱۴۸) روزیکہ بود وقت ہلاک من و تو
از تن برود روان پاک من و تو
از بسکہ نباشیم درین چرخ کبود
مہ در تابد بر سر خاک من و تو

مختار نامے میں یہ رباعی شیخ فرید الدین عطارؒ کے یہاں موجود ہے۔ کچھ الفاظ کا تغیر پہلے مصرع میں (وقت) کی بجائے روز دوسرے میں (برود) کی بجائے (برہد) تیسرے میں (چرخ) کی بجائے (طاق) چوتھے میں (مہ در تابد) کی بجائے (چہ مہ تابد) شیخ فرید الدین عطارؒ کے یہاں یوں تو اس مضمون کی رباعیاں بہت سی

ہیں مگر خصوصیت سے یہ رباعی تو قریب ایسی ہی ہے :

مے خور کہ فلک بہر ہلاک من و تو
قصدے دارد بجان پاک من و تو
بر سبزہ نشیں دمے کہ بسیار نماند
تا سبزہ بروں دمد زخاک من و تو

چنانچہ اس کو بھی مجموعۂ خیام میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ کہ پہلے مصرع میں (مے خور) کی بجائے (ایں چرخ) تیسرا مصرع یوں ہے :

بر سبزہ نشین پیالہ کش دیر نماند

غرض کہ یہ رباعی وہی ہے جو مختار نامۂ عطار میں ہے۔ رباعیات افضل کاشانی میں بھی مندرجۂ بالا رباعی موجود ہے۔

(۱۴۹) از تن چو برفت جان پاک من و تو
خشتے دو نہند بر مغاک من و تو
وانگہ ز برائے خشت گور دگراں
در کالبدے کشند خاک من و تو

یہ رباعی المغنم البارد میں فطرت کے نام سے لکھی گئی ہے۔

(۱۵۰) ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو
آں کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی
پس فرق میاں من و تو چیست بگو

اس رباعی کے ساتھ یہ قصہ بھی بتایا جاتا ہے۔ کہ خیام کا ظرف شراب ایک مرتبہ کسی طرح ٹوٹ گیا تو اس نے یہ رباعی کہی :

ابریق مئے مرا شکستی ربی
برمن در عیش را تو بستی ربی
برخاک بریختی مئے ناب مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

اس رباعی کے کہتے ہی خیام کا چہرہ سیاہ یا مسخ ہوگیا۔ دیکھنے والوں نے حکیم سے یہ کہا۔ تو حکیم صاحب نے مندرجہ بالا رباعی کہی اور چہرہ بدستور اپنی حالت اصلی پر آگیا۔ یہ سب کچھ ہے مگر مجھے تو یہ رباعی شیخ فخر الدین عراقی کے دیوان میں ملتی ہے۔

اور اس کے پہلے شعر میں یہ تغیر ہے :

آں کیست کہ بے جرم و گنہ زیست بگو
بے جرم و گناہ در جہاں کیست بگو

تیسرے مصرع میں بجائے (دہی) کے (کنی) ہے۔ یہ رباعی رباعیات سرمد میں بھی موجود ہے۔ المعنم البارد میں اس کو شیخ اوحد الدین کرمانی کے تحت میں لکھا گیا ہے۔ ایک شعر مولانا روم کا قریب قریب اسی مضمون کا ہے :

گر فراق بندہ از بد بندگی ست
چوں تو باید بد کنی پس فرق چیست

---

(۱۵۱) اے زندگی و تن و توانم ہمہ تو
جانی و دلی اے دل و جانم ہمہ تو
تو ہستی من شدی ازانی ہمہ تو
من نیست شدم در تو ازانم ہمہ تو

یہ رباعی بھی دیوان فخرالدین عراقی ہیں موجود ہے اور اس قسم کے تصوف کا مجموعۂ رباعیات خیام ہیں شائبہ بھی نہیں۔ افضل کاشانی کے یہاں بھی موجود ہے۔

(۱۵۲) سر از ہمہ ناکساں نہاں داری تو
راز از ہمہ ابلہاں نہاں داری تو
بنگر کہ میانِ مردماں کار تو چیست
چشم از ہمہ مردماں نہاں داری تو

رباعی کے قوافی وغیرہ کی غلطی سے قطع نظر کرتے ہوئے جب غور کیا جاتا ہے تو یہ مجموعۂ خیام کی ایک دوسری رباعی سے تراشی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو یہ ہے:

سر از ہمہ ناکساں نہاں باید داشت
راز از ہمہ ابلہاں نہاں باید داشت
بنگر کہ بجان مردماں مے چہ کنی
چشم از ہمہ مردماں نہاں باید داشت

---

(۱۵۳) هر روز بر آنم که کنم شب توبه
از جام و پیالۂ لبالب توبه
اکنوں کہ رسید وقت گل ترکم دہ
در موسم گل ز توبہ یارب توبہ

یہ رباعی بھی مختارنامۂ شیخ فریدالدین عطار میں موجود ہے۔ (ترکم دہ) کی بجائے (برگم نیست) ہے۔ اس قسم کی رباعیاں بھی اکثر پائی جاتی ہیں جو مختلف شعرا سے منسوب ہیں۔

(۱۵۴) آں بادۂ خوشگوار بر دستم نہ
واں ساغر چوں نگار بر دستم نہ
واں مے کہ چو زنجیر بپیچیدہ بر خود
دیوانہ شدم بیار بر دستم نہ

یہ رباعی دیوان حافظ مطبوعہ کشوری وغیرہ میں موجود ہے۔ مگر ایک قدیم مطبوعہ دیوان میں اس کو ملحقات کے ذیل میں لایا گیا ہے۔ اگرچہ حافظؔ کے کلام میں اس رباعی کا ہونا مستبعد نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بہت سی ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

(۱۵۵) ساقی بہ صبوحی مے ناب اندر دہ
مستان شراب را شراب اندر دہ
مستیم و شراب در خرابات فنا
آوازہ بہ عالم خراب اندر دہ

یہ رباعی بھی کلیات عطار میں موجود ہے۔

(۱۵۶) مائیم بہ لطف حق تولا کردہ
وز طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد، باشد
ناکردہ چو کردہ، کردہ چوں ناکردہ

تذکرۂ ہفت اقلیم میں یہ رباعی شیخ الرئیس بوعلی سینا سے منسوب کی گئی ہے۔ مجموعۂ منتخبات دارالمصنفین میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔

(۱۵۷) اے نیک نہ کردہ و بدی ہا کردہ
آں گاہ بہ لطف حق تولا کردہ
بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود
ناکردہ چو کردہ، کردہ چوں ناکردہ

بعض نسخوں میں یہ رباعی بھی بوعلی سینا سے منسوب بتائی گئی ہے اور ہو سکتا ہے کہ تنوع مضامین کے لحاظ سے دونوں انھیں نے کہی ہوں، ایسا اکثر ہوتا ہے کہ شاعر ایک ہی مضمون کو طرح طرح سے کہتا ہے مگر بعض محققین شاعر کی گفتار کو اس کے کردار سے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا۔ چناں چہ مولوی سید سلیمان صاحب نے اپنی تصنیف "خیام" میں ان دونوں رباعیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں کا مصنف ایک شخص نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے پہلی رباعی مجموعہ منتخبات کے حوالے سے

شیخ بو علی سینا کے نام سے منسوب کی ہے اور دوسری محقق طوسی کی جو اس کے جواب میں لکھی گئی ہے مگر میری تحقیق میں یہ دوسری رباعی شیخ ابو سعید ابوالخیر سے بھی منسوب بتائی جاتی ہے۔

(۱۵۸) گر دولت و بخت باشدر روز بہی
در پائے تو سر بہ بازم اے سرو سہی
سہل است کہ من در قدمت خاک شوم
ترسم کہ تو پائے بر سر من نہ نہی

یہ رباعی مجموعہ رباعیات مطبوعہ مطبع نول کشوری میں نہیں ہے مگر مطبوعہ الہ آباد میں ہے اور شیخ سعدی کے کلیات میں پائی جاتی ہے۔ علی ہذا یہ دونوں بھی الہ آباد ہی کے نسخے میں ہیں اور نول کشوری میں نہیں ہیں اور دونوں سعدی ہی سے منسوب ہیں۔

(۱۵۹) گر کام دل از زمانہ تصویر کنی
بے فائدہ خود را زغماں پیر کنی
گیرم کہ ز دشمناں بنالی بر دوست
چوں دوست جفا کند چہ تدبیر کنی

---

(۱۶۰) گیرم کہ بہ تقوی و خرد مندی رائے
از دائرۂ شرع بروں نہ نہم پائے
با میل کہ طبع می کند چہ تواں کرد
عیبے است کہ در من آفریدیت خدائے

---

(۱۶۱) اے دل اگر از غبار تن پاک شوی
تو روح مجسمی بر افلاک شوی
عرش است نشیمن تو شرمت بادا
کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

ہفت اقلیم میں یہ آخری رباعی امام فخر الدین رازی سے منسوب کی گئی ہے۔ علاء الدین عطا ملک جوینی نے تاریخ جہاں کشا میں ایک بزرگ شیخ احمد بدلی سبزواری کا ذکر کیا ہے جو ۵۸۲ھ میں موجود تھے انھیں سے اس رباعی کو منسوب کیا ہے اور کچھ الفاظ کی تبدیلی ہے۔ مجمع الفصحا میں بدیعی سجاوندی کے نام سے لکھی گئی ہے۔ تاریخ گزیدہ میں امام فخر الدین رازیؒ سے۔ اور غالباً یہ انھیں کی ہے۔ یہ رباعی جلال الدین بلخی سے بھی منسوب ہے۔

(۱۶۲) گر آمدنم بہ خود بدے نامدمے
ور نیز شدن بمن شدے کے شدمے
بہ زاں نبدے کہ اندریں دیر خراب
نے آمدمے نے شدمے نے بدمے

مجمع الفصحا میں یہ رباعی حکیم سنائیؒ سے منسوب ہے۔ رباعیات افضل میں افضل کے نام سے ہے۔

(۱۶۳) با درد قناعت کن و آباد بزی
در بند فزونی مشو آزاد بزی

منگر بہ فزونی زخود و غصہ مخور
در کم زخودے نگہ کن و شاد بزی

یہ رباعی افضل الدین محمد افضل شاعر دور محمود غزنوی کی ہے۔ تذکرۂ ہفت اقلیم میں یہ رباعی انھیں سے منسوب کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بیشتر رباعی ہی کہتے تھے۔ پہلے مصرع میں "بادرد" کی جگہ "باباده" ہے۔

(۱۶۴) گر روئے زمیں بہ جملہ آباد کنی
چنداں نبود کہ خاطرے شاد کنی
گر بندہ کنی بہ لطف آزادے را
بہتر کہ ہزار بندہ آزاد کنی

یہ رباعی شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ سے منسوب ہے اور ایک قلمی غیر مطبوعہ تذکرے میں بہ ادنیٰ تفاوت شاہ علاء الدولہ کے نام سے ہے، کسی کی بھی ہو مگر اس قسم کا ناصحانہ انداز کلام مجموعۂ رباعیات خیام سے منسوب نہیں ہو سکتا۔

(۱۶۵) ای آں کہ خلاصۂ چہار ارکانی
بشنو سخنے زعالم روحانی
دیوی و ددی و ملک و انسانی
باتست ہر انچہ می نمانی آنی

یہ رباعی افضل الدین کاشانی کی ہے اور ان کے مجموعۂ رباعیات

میں درج ہے۔

(۱۶۶) ہنگام سفیدہ دم خروس سحری
دانی کہ چرا ہمی کند نوحہ گری
یعنی کہ نمودند در آئینۂ صبح
کز عمر شبے گزشت و تو بے خبری

تذکرۂ حسینی میں یہ رباعی شیخ ابوسعید ابوالخیر سے منسوب ہے۔ اور برخلاف اس کے المعجم البارد میں اس کو شیخ رباعی مشہدی کے نام سے نقل کیا ہے۔ اسی قسم کی ایک رباعی زلالی خوانساری کی بھی ہے:

گریاں کہ نوحہ میکند وقت گری
دانی غرضش چیست ازیں نوحہ گری
یعنی کہ گری گری شود عمر تو کم
پیمانۂ عمر پر شود تاں گری

(۱۶۷) اے مایۂ درماں نفسے بہ نشینی
تا صورت حال دردمنداں بینی
گر من بہ تو فرہاد صفت شیفتہ ام
عیبم مکن اے جاں کہ تو لس شیرینی

(۱۶۸) ای بلبل خوش نفس چہ شیریں نفسی
کز دست و زباں خویشتن در قفسی
شاید کہ بہ یاران عزیزت نہ رسی
سرمست ہوا و پائے بند ہوسی

فردا کہ بنامہ سبہ در نگری
بس دست تحسر کہ بدنداں ہبری
بفروختہ دیں بہ دنیا از بے خبری
یوسف کہ بہ دہ درم فروشی چہ خری

یہ تینوں رباعیاں مجموعہ مطبوعہ کشوری میں نہیں ہیں۔ مگر مطبوعہ احمدی پریس الہ آباد میں موجود ہیں اور یہ تینوں شیخ سعدی کے قدیم سے قدیم کلیات میں بھی موجود ہیں۔ ان رباعیوں کے علاوہ مندرجہ ذیل رباعیاں رباعیات افضل کے مجموعے میں افضل کاشانی کے نام سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ رباعیاں خیام سے بھی منسوب ہیں اور بعض دوسرے شعرا سے بھی۔ مگر ان سب کو تحقیق کرنے پر افضل ہی کا کلام سمجھا گیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر خیام کے مختلف مجموعوں میں ان کو اسی کے نام سے لکھا گیا ہے:

از رفتہ قلم ہیچ دگرگوں نہ شود
وز خوردن غم جز بہ جگر خوں نہ شود
ہاں تا جگر خویش بہ غم خوں نہ کنی
یک ذرہ از انچہ ہست افزوں نہ شود

افسوس کہ کار پختہ خاماں دارند
اسباب تمام ناتماماں دارند
آنانکہ بہ بندگی نمی ارزیدند
امروز کنیزان و غلاماں دارند

اے ذات تو سر دفتر اسرار وجود
نقش رقمت بر در و دیوار وجود
در پردۂ کبریا نہاں گشتہ ز خلق
بہ نشستہ عیاں بر سر بازار وجود

بدخواہ کساں ہیچ بہ مقصد نرسد
یک بد نکند تا بہ خوشی صد نرسد
من نیک تو خواہم و تو بدخواہِ منی
تو نیک نہ بینی و بمن بد نرسد

پیرے سر درائے بے صوابی دارد
گلنار رخت بہ رنگ آبی دارد
بام و در و چار رکن دیوار وجود
ویراں شدہ روئے در خرابی دارد

تا زہرہ و مہ بر آسمانند پدید
بہتر ز مئے لعل کسے ہیچ نہ دید
من در عجبم ز مے فروشاں کایشاں
بہ زانکہ فروشند چہ خواہند خرید

چوں شاہد روح خانہ پرداز شود
ہر چیز بہ اصل خویشتن باز شود
ایں سازِ وجود را چہ ابریشم طبع
از زخمۂ روزگار بے ساز شود

در راہ چناں رو کہ سلامت نہ کنند
با خلق چناں زی کہ قیامت نہ کنند
در مسجد اگر روی چناں رو کہ ترا
در پیش ندارند و امامت نہ کنند

یہ رباعی شاہ سنجان سے بھی منسوب ہے:

رازم ہمہ دانائے فلک میداند
کو ہوئے بموئے یک بیک میداند
گیرم کہ تو اینجا شش و پنجے داری
با او چہ کنی کہ یک بیک میداند

بودی کہ نبودت بہ خور و خواب نیاز
کردند نیاز مندت ایں چار انباز
ہر یک بہ تو آنچہ داد بستاند باز
تا باز چناں شوی کہ بودی ز آغاز

اے چرخ خسیس خس دوں پرور خس
ہرگز تو نہ گشتی بمراد دل کس
جز غافلکا ترا ہمیں باد ایس
ناکس کس سازی و تو کس را ناکس

پندے دہمت اگر بمن داری گوش
از بہر خدا جامۂ تزویر مپوش
عقبیٰ ہمہ ساعتی است دنیا یکدم
از بہر دمے ملک ابد را مفروش

تا ظن نہ بری کہ از جہاں می ترسم
وز مردن واز گشتن جاں می ترسم
مردن چو حقیقت ست زاں باکم نیست
چوں نیک نہ زیستم ازاں می ترسم

در جستن جام جم جہاں پیمودیم
روزے نہ نشستیم و شبے ناسودیم
ز استاد چو وصف جام جم پرسیدیم
خود جام جہاں نمائے جم ما بودیم

یہ آخری رباعی زین الدین نسوی سے بھی منسوب ہے مگر تذکرہ روز روشن میں زین الدین صوفی ہروی کے نام سے درج ہے:

حق جان جہان است وجہاں جملہ بدن
اصناف ملایکہ حواس ایں تن
افلاک وعناصر و موالید اعضا
توحید ہمیں است دگرہا ہمہ فن

یہ رباعی افضل کاشانی کے علاوہ شیخ الدین حموی المتوفی ۶۵۰ھ سے بھی منسوب ہے۔ آتشکدہ میں ان کو شیخ نجم الدین کبری کا بھائی اور نفحات الانس میں ان کے اصحاب میں سے بتایا گیا ہے اور ان کی بہت سی تصانیف اور رباعیاں پائی جاتی ہیں۔

روزے کہ گزشتہ است ازاں یاد مکن
فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
برنامدہ وگزشتہ بنیاد مکن
حالے خوش باش و عمر برباد مکن

ای آں کہ پدید گشتم از قدرت تو
پروردہ شدم بناز از نعمت تو
صد سال بہ امتحاں گنہ خواہم کرد
تا جرم من است بیش یا رحمت تو

اے در خمِ چوگانِ قضا ہمچوں گو
چپ میخور و در راست مے برو ہیچ مگو
آں کس ترا افگندہ اندر تگ و پو
او داند و او داند و او داند و او

دنیا بمراد راندہ گیر آخر چہ
ویں نامۂ عمر خواندہ گیر آخر چہ
گیرم بامراد دل بمانی صد سال
صد سال دگر بماندہ گیر آخر چہ

از کبر مدار ہیچ در دل ہوسے
کز کبر بجائے نہ رسیداست کسے
چوں زلف بتاں شکستگی عادت کن
تا صید کنی ہزار دل در نفسے

یہ رباعی افضل کے علاوہ شیخ اوحدالدین کرمانی سے بھی منسوب ہے:

گر شہرہ شوی بہ شہر، شرّ الناسی
ور گوشہ نشیں شوی، ہمہ وسواسی
آں بہ کہ اگر خضر و گر الیاسی
کس نشناسد ترا تو کس نشناسی

کچھ رباعیاں مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی ایسی چنی ہیں جو الحاقی ہیں ان میں کی زیادہ تر ایسی ہیں جو میں نے بھی ڈھونڈی ہیں مگر بعض ایسی رباعیاں بھی ہیں جو مجھے نہیں مل سکی تھیں بلکہ وہ خالص سید صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہیں مثلاً:

دردا کہ دلم بہ ہیچ درماں نرسید
جانم بہ لب آمدہ و بہ جاناں نرسید
دربے خبری عمر بہ پایاں آمد
افسانۂ عشق او بہ پایاں نرسید

یہ رباعی شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی مناجات اور منازل السائرین میں موجود بتائی گئی ہے:

درد دل خستہ دردمنداں دانند
نے خوش منشان خیرہ خنداں دانند
از سرّ قلندری تو گر محرومی
سرّیست دریں شیوہ کہ رنداں دانند

بتایا گیا ہے کہ قلندری کا لفظ خیام کے یہاں کہیں نہیں اس لیے یہ رباعی ان کی نہیں ہو سکتی:

با ایں دو سہ ناداں کہ چنیں می دانند
از جہل، کہ دانائے جہاں ایشانند
خرباش کہ از خری ایشاں بہ مثل
ہر کو نہ خرست کافرش می دانند

یہ رباعی شیخ الرئیس بوعلی سینا کی بتائی گئی ہے:

زاں مے خواہم کہ خرمی را سبب است
نامش مے و کیمیائے شادی لقب است
سرخ است چو عناب و ز آب عنب است
آبے کہ بہ رخ بر آتش آرد عجب است

یہ رباعی حسن باخرزی المقتول ۴۶۷ھ کی ملکیت بتائی گئی ہے:

خیام تنت بہ خیمہ می ماند راست
سلطاں روح است و منزلش دار فناست
فراش اجل ز بہر دل منزل
از پا فگند خیمہ کہ سلطاں برخاست

یہ رباعی ڈاکٹر فریڈرک روزن نے دیوان مولانا روم میں پائی ہے اور اس کا پہلا مصرع اس طرح ہے:

ایں صورت تن بہ خیمہ می ماند راست

مجھے افسوس ہے کہ ژدکوسکی نے جو ۸۲ رباعیاں اور دوسرے مستشرقوں نے جو اور کچھ رباعیاں زیادہ کر کے شائع کی ہیں وہ میری نگاہ سے نہیں گزریں۔ ورنہ ان میں سے شاید اور کچھ ایسی رباعیاں ملتیں جو میرے دسترس تجسس سے باہر تھیں مگر پھر بھی ان بیاسی رباعیوں میں سے ۳۳ رباعیوں کی نقل خیام میں دے دی گئی ہے ان میں سے ۱۴ رباعیاں ایسی ہیں جو میری تلاش کردہ رباعیوں کے

علاوہ ہیں۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ژدکووسکی نے صرف شبہ اور اپنے معیارِ تنقید کی بنا پر انھیں خیام کی ملک نہیں سمجھا یا اور کسی سے منسوب پایا۔ لہٰذا بغیر کسی سند و حوالہ کے ہم صرف رباعیاں نقل کر دیتے ہیں:

مائیم نہادہ سر بہ فرمانِ شراب
جاں کردہ فدائے لبِ خندانِ شراب
ہم ساقیٔ ما حلق صراحی در دست
ہم بر لبِ ساغر آمدہ جانِ شراب

چوں بلبلِ مست راہ در بستاں یافت
روئے گل و جامِ بادہ را خنداں یافت
آمد بزبانِ حال در گوشم گفت
دریاب کہ عمرِ رفتہ را نتواں یافت۔

ابر آمد و باز بر سرِ سبزہ گریست
بے بادۂ ارغواں دمے نتواں زیست
ایں سبزہ کہ امروز تماشا گہِ ماست
تا سبزۂ خاکِ ما تماشا گہِ کیست

مہتاب بہ نور دامن شب بشگافت
مے خور کہ دمے خوشتر ازیں نتوانی یافت
خوش باش و بر اندیش کہ مہتاب بسے
اندر سر خاک یک بیک خواہد تافت

حال گل و مل بادہ پرستاں دانند
نے تنگ دلان و تنگ دستاں دانند
از بے خبری بے خبراں معذورند
ذوقے است دریں شیوہ کہ مستاں دانند

زاں پیش کہ نام تو ز عالم برود
مے خور کہ چو مے رسد ز دل غم برود
بکشائے سر زلف بتے بند ز بند
زاں پیش کہ بند بندت از ہم برود

مے خور کہ ز دل کثرت و قلت ببرد
و اندیشۂ ہفتاد و دو ملت ببرد
پرہیز مکن ز کیمیائے کہ ازو
یکمن بخوری ہزار علت ببرد

ہاں تا نہ نہی بر تن خود غصہ و درد
تا جمع کنی سیم سفید و زر زرد
زاں پیش کہ گردد نفس گرم تو سرد
با دوست بخور کہ دشمنت خواہد خورد

ایام جوانی و شباب اولیٰ تر
با خوش پسراں جام شراب اولیٰ تر
ایں عالم فانی چو خراب است بہ آب
از بادہ در و مست و خراب اولیٰ تر

آں لعل در آبگینہ سادہ بسیار
واں محرم و مونس ہر آزادہ بیار
چوں میدانی کہ عالمی آمدہ خاک
بادیست کہ زود بگذرد بادہ بیار

کردیم دگر شیوۂ رندی آغاز
تکبیر ہمی زنیم بر پنج نماز
ہر جا کہ پیالہ ایست مارا بینی
گردن چو صراحی سوئے آں کردہ دراز

در پائے اجل چو من سر افگندہ شوم
در دست اجل چو مرغ پر کندہ شوم
زنہار گلم بجز صراحی مکنید
باشد کہ بہ بوئے مے دمے زندہ شوم

افتادہ مرا بامئے و مستی کارے
خلقم بچہ می کنند ملامت بارے
اے کاش کہ ہر کدام مستی کردے
تا من بہ جہاں نہ دیدمے ہشیارے

شمع است و شراب و ماہتاب اے ساقی
شاہد بینی چو لعل ناب اے ساقی
از خاک برآر ایں دل پر آتش را
برباد مدہ بیار آب اے ساقی

جس قدر رباعیاں پیش کی گئی ہیں وہ اتنی ہیں کہ ایک سات آٹھ سو کے مجموعے میں سے اگر اتنا حصہ نکل جائے تو پھر بقیہ پر کسی صورت سے اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اس شخص کی ہیں جس سے پورا مجموعہ منسوب ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد اگر یہ کہہ دیا جائے کہ خیام نے اپنے معاصر یا متقدمین کی رباعیوں پر مشتمل ایک مجموعہ جمع کیا تھا اور

اس میں کچھ شاید اپنی رباعیاں بھی شریک کردی تھیں یا اپنی بالکل نہیں تھیں۔ تو اس پر بحث کرنا ہٹ دھرمی سے زیادہ۔ اس کے حسب ذیل وجوہ ہو سکتے ہیں۔ خیام کے رباعی گو ہونے کے قدیم سے قدیم گواہ بھی جرح میں بیکار ثابت ہوتے ہیں۔

سب سے پہلا گواہ امیر عنصر المعالی کیکاؤس ہے جس نے اپنے قابوس نامہ مولفہ ۴۷۵ھ میں شراب خوری کے آداب میں یہ کہہ کر کہ "چنانچہ عمر خیام گفتہ" یہ رباعی پیش کی ہے:

اے دل حذر از مستی و مخموری کن
وز ہمدمی رطل گراں دوری کن
از بادہ شفا خیزد و از مستی رنج
تو بہ ز شفا مکن ز مخموری کن

اس رباعی میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ مروجہ اور موجودہ نسخوں میں نہیں پائی جاتی۔ نہ کوئی تذکرہ اس کا گواہ ہے۔ اس لحاظ سے گمان ہوتا ہے کہ عنصر المعالی نے کسی سے یہ رباعی خیام کے نام سے سنی اور اپنی کتاب درج کردی۔ کسی خاص صورت سے اس نے تحقیق نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ شراب پینے کے آداب میں مجموعۂ خیام کی اس سے اچھی رباعیاں موجود ہیں:

گر بادہ خوری تو با خردمنداں خور
یا با صنمے سادہ رخے خنداں خور

بسیار مخور - ورد مکن - فاش مساز
اندک خور و گہ گاہ خور و پنہاں خور

دوسری گواہی شمس الدین شہرزوری کی کتاب نزہتہ الارواح مولفہ (۵۸۶ھ - ۶۱۱ھ) کی ہے۔ اول تو یہ کتاب خیام کی وفات (۵۱۷ھ - ۵۳۰ھ) کے بہت بعد کی تالیف ہے اور اتنے دن میں ایک غلط بات بھی مشہور ہو سکتی ہے تو خیام جو بجائے خود ایک عالم و فاضل (اور ممکن ہے کہ شاعر) بھی تھا اور اس نے ہمارے خیال کے مطابق ایک مجموعۂ رباعیات بھی جمع کیا تھا۔ اس کے لیے رباعی گو مشہور ہو جانا کونسی بڑی بات تھی۔ دوسرے یہ دو رباعیاں جو ترجمہ فارسی شہرزوری میں دی گئی ہیں:

گویند بہ حشر جستجو خواہد بود
واں یار عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض جز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

از واقعۂ ترا خبر خواہم کرد
وانرا بہ دو حرف مختصر خواہم کرد
با عشق تو در خاک فرو خواہم شد
با مہر تو سر ز خاک بر خواہم کرد

مگران دونوں رباعیوں کا یہ حال ہے کہ پہلی رباعی تذکرہ ہفت اقلیم میں شاہ قاسم بن شاہ قوام الدین سے منسوب کی ہے اور کشکول بہائی میں سحابی سے نسبت دی ہے اور دوسری رباعی قطران بن منصور سے منسوب ہے۔ قطران انوری کا استاد تھا اور اس کا زمانہ نزہتہ الارواح کی تالیف سے بہت پہلا ہے۔ شاہ قوام الدین کا سنہ وفات معلوم نہیں ہوا۔ اس پر بھی شہرزوری کی شہادت صرف سماعی ہی ہو سکتی ہے اور غلطی کا امکان کافی ہے۔ مرصاد العباد شیخ نجم الدین دایہ میں بھی دو رباعیاں ہیں۔ یہ کتاب ۶۲۰ھ میں تصنیف ہوئی اور اس وقت خیام کی وفات کو ایک کافی مدت گزر چکی تھی۔ مرصاد العباد میں جو رباعیاں ہیں وہ دو نو یہ ہیں ان میں سے بھی ایک رباعی افضل کاشانی کی ہے۔ افضل کاشانی ۵۸۲ و بقولے ۵۹۲ میں پیدا ہوا:

در دائرہ کآمدن و رفتن ماست
آنرا نہ بدایت نہ نہایت پیداست
کس می نزند دمے درین عالم راست
کایں آمدن از کجا و رفتن بکجاست

دارندہ چو ترکیب طبایع آراست
آنرا نہ بدایت نہ نہایت پیداست
گر زشت آمد پس ایں صورت عیب کراست
ور نیک آمد خرابی از بہر چراست

عطا ملک جوینی نے تاریخ مولفہ ۶۵۸ ھ میں رباعی لکھی ہے اور حوالہ دیا ہے کہ سید عزالدین نسابہ نے ہرو کے قتل عام کے میدان میں لاشوں کا شمار کرتے ہوئے اس رباعی کو پڑھا :

ترکیب پیالہ کہ درہم پیوست
بشکستن آں روا نمی دارد دست
چندیں سرو پائے نازنیں از سر دست
از مہر کہ پیوست و بکین کہ شکست

یہ رباعی بھی خواجہ نصیر الدین طوسی اور افضل کاشانی سے منسوب ہے نصیر الدین طوسی کی ولادت ۵۹۷ ھ اور وفات ۶۷۲ ھ میں واقع ہوئی۔ رہا سید عزالدین نسابہ کا قصہ اس میں انھوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ رباعی خیام کی ہے بلکہ یہ قول مولف کا ہے کہ یہ رباعی خیام کی پڑھی تھی اور یہ مفید ثبوت نہیں ہے۔ اسی کتاب میں یہ دوسری رباعی بھی دی گئی ہے جو اب خیام سے منسوب ہے مگر مولف نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ لہذا یہ بھی قابل اعتنا نہیں ہے :

مے خور کہ سمن بسے سما خواہد دید
خوش زی کہ بسی بسے سہا خواہد دید
زیں یکدم عافیت کہ داری برخور
مے داں کہ چمن چو ما بسے خواہد دید

اسی طرح جن تاریخوں میں حوالہ ہے وہ خیام کے بعد کی اور بہت بعد

کی ہیں جب کہ ان کا شعور ان کے نام سے منسوب ہو چکا تھا اور لوگوں کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ دوسروں کی رباعیاں ہیں۔ اس پر یہ بھی قیامت ہے کہ ان کی وہ رباعیاں جو ان کتب میں مندرج ہیں دوسرے شعرا سے منسوب ہیں۔

جن رباعیوں کا ہم نے ذکر کیا ان میں بعض ایسی بھی ہیں کہ وہ کسی دسویں یا گیارہویں صدی کے شاعر سے منسوب ہیں مگر لندن کے اس نسخے میں جو مشہور ہے یا برلن وغیرہ کے ان نسخوں میں جو منسوب الیہ شاعر کے دور سے پہلے کے بتائے جاتے ہیں موجود ہیں جس سے گمان ہوتا ہے کہ مخطوطہ نسخے تاریخ کتابت کے بعد کے شاعر سے وہ منسوب ہو ہی نہیں سکتی مگر ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ ان نسخوں پر جو تاریخیں دے دی گئی ہیں وہ درست نہیں ہیں اور وہ نسخے مصنوعی ہیں بہت ممکن ہے کہ خیام کے کلام کی قدردانی دیکھنے کے بعد یہ نسخے قدامت ظاہر کرنے کے لئے بنائے گئے ہوں اور آج ہم ایک تاریخی اور دھوکے میں ہوں۔ یہ نسخے معتبر جب ہو سکتے تھے کہ وہ انھیں تاریخوں میں یا ان کے قریب جو ان پر درج ہیں خرید بھی گئے ہوتے۔ ورنہ ایسی قلمی تاریخیں کوئی قابل اعتبار و استناد نہیں ہیں۔ خصوصیت سے جب کہ تذکرے ان کی تکذیب کر رہے ہوں۔

چناں چہ فریڈرک روزن کو جو ۱۹۲۱ء کا لکھا ہوا نسخہ ملا وہ اس کا اعتبار نہیں رکھتے اور کہتے ہیں:

در ایں کتاب از ہر چیز جالب توجہ تر تاریخ آن ست

یعنی در آخر کتاب نوشتہ شدہ "تمت الرباعیات ۱۰۲۷ھ" اگر صحت ایں تاریخ ثابت شود متن ما باندازہ ۴۰ سال شمسی و یا ۴۴ سال قمری از نسخہ آکسفورڈ قدیم تر خواہد بود۔ ولی خط نستعلیق و خوب ماندن کتاب صحت ایں تاریخ را مشکوک میکند" اسی طرح اور جگہ بھی شکوک ظاہر کیے ہیں۔ فریڈرک روزن کا شک ایک اصولی مگر ادنیٰ بات پر مبنی ہے۔ اگر ہم بیسیوں تذکروں اور دیوانوں کو مقدم سمجھ کر اس شک کو پختہ کریں اور یقین کا درجہ دیں تو شاید گنجائش نکل آئے گی۔

انقلابات کا طوفان ہم کو ذرا بھی متعجب نہیں ہونے دیتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایک مصنف کی مستقل کتاب کسی دوسرے مصنف کے نام سے مشہور ہو رہی ہے اس کی مثالیں اگر تلاش کی جائیں تو زیادہ تعداد تک پہنچیں گی مگر دو چار کا ذکر کیا جاتا ہے۔ "تذکرہ رشحات" ملا حسین واعظ کاشفی کے نام سے مشہور ہے حالاں کہ وہ ان کے صاحبزادے علی بن الحسین الواعظ الکاشفی کی ہے۔ مثنوی "زاد المسافرین" جو تصوف میں ایک مختصر جامع مثنوی ہے ملا حسین واعظ کاشفی کے نام سے مطبع نولکشور میں چھپی ہوئی ہے۔ حالاں کہ وہ میر حسینی سادات ہروی۔ مرید شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف ہے۔ "ہفت بند" ملا محتشم کاشی کے نام سے مشہور ہے درآں حالیکہ وہ حسن کاشی کا ہے اور ملا محتشم کا صرف مرثیہ ہے۔ مولانا روم کا دیوان شمس تبریز کے نام سے معہ تخلص کے دائر و سائر ہے۔ مخفی رشتی لاہیجانی کا اکثر

کلام زیب النساء مخفی دختر شاہ اورنگ زیب عالمگیر سے منسوب ہے۔ چناں چہ یہ غزل تذکروں میں مخفی رشتی کے نام سے ہے مگر زیب النساء کے دیوان میں بھی موجود ہے:

زسوز عشق تو زآنگونہ دوش تن بسوخت
کہ ہر نفس تف سینہ پیرہن می سوخت

اور یہ بوالعجمی صرف یہیں تک کارفرما نہیں۔ شاہنامہ جس کو ابن الاثیر نے قرآن العجم کہا ہے اس میں ایک قول کے مطابق بیس ہزار شعر دقیقی کے شامل ہیں اور سب کا نہیں تو کچھ کا فردوسی نے بھی اعتراف کیا ہے مگر کیا سوائے محققین کے عام پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ شاہنامہ میں دقیقی کا بھی حصہ ہے اور اس کا سنگ بنیاد اسی کا رکھا ہوا ہے۔ میر تقی میر کی غزلیات کلام بسمل فیض آبادی میں یا بسمل کی غزلیں کلام میر میں موجود ہیں۔ سودا کے یہاں قائم کی ایک مثنوی ہے اور لیجیے میر کا یہ شہرۂ آفاق مطلع مجموعۂ انبساط گلدستہ نشاط۔ منولال میں بالمکند حضور (۱) کے نام سے موجود ہے اور ممکن ہے کہ مول چند کے مجموعۂ کلام میں یہ پوری غزل شامل ہو:

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں

اصل میں یہ شہرت کے اعجاز ہیں اور شہرت نے بیشتر ایسا کیا ہے کہ ایک کے سرمایہ کا دوسرے کو مالک بنا دیا۔

۱۔ گلدستہ انبساط مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۹۸ تصحیح داتا رام برہمن۔

ان سب باتوں کے بعد غلط رباعیات کو دیکھا جائے ۔ جن میں بعض معنی سے معرّا ۔ بعض قوافی سے مبّرا ہیں ۔ بعض کے مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ۔ بعض کے مضامین مکرر ہیں بعض میں الفاظ کا ادنیٰ تغیر ہے تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ کسی طرح خیام سے منسوب نہیں ہو سکتیں ۔ مگر چونکہ ان میں معانی وغیرہ کی تشریح بے ربطیوں کی توضیح کی ضرورت پڑے گی اور اس کی وجہ سے یہ مضمون کم از کم اسی قدر اور ہو گا ۔ اس لیے اس وقت اس کو ملتوی رکھ کر دوسری قسط لکھنے کی ضرورت ہو گی ۔ ورنہ یہ مضمون ایک کتاب کی صورت اختیار کر جائے گا ۔

آخر مضمون میں یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تلاش و تفتیش کا سلسلہ جاری ہے اور ہم عنقریب اور رباعیاں اس کے کریں گے جو دوسرے شعرا کی ہیں ۔ فی الحال ہم اتنا بتا کر کہ خیام کے مجموعۂ رباعیات میں کسی قسم کی گنجایش نہیں اور کس طرح کی رباعیاں اس کے مجموعے میں نہ ہونا چاہئیں یا بہ الفاظ دیگر خیام اگر رباعی گو تھا بھی تو اس کے طرز کلام سے کس قسم کا کلام مماثل و متشابہ نہیں ہے ۔ وہ حسب ذیل ہے:

شراب کا بیان اس کی رباعیوں میں سب سے زیادہ موجود ہے مگر اس طرح سے کہ زیادہ سے زیادہ ایک مسلمان بھول کر یا از راہ خطا اس کا مرتکب ہو رہا ہے ۔ اس کا تفقہ اس کی ثقاہت ۔ اس کا علم اس کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ ایک رند لاابالی

یا ایک کافر بیباک ہو کر عملاً نہ سہی قولاً ہی شراب کی طلب گاری کرے جیسا کہ اس کے مجموعے میں اکثر اس قسم کی رباعیاں شامل ہوگئی ہیں:

ابریق مئے مرا شکستی ربی
برمن در عیش را تو بستی ربی
برخاک بریختی مئے ناب مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

(۲) خیام ایک طرف ظریف ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ اس کا بہر صورت اہل ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ ستم کہ اس کو فحاش بھی بنا دیا جائے گوارا نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو کیا خیام کی یہی شان ہو سکتی ہے جو ذیل کی رباعیوں میں پائی جاتی ہے:

اے رفتہ و باز آمدہ بلہم گشتہ
نامت زمیان نامہا گم گشتہ
ناخن ہمہ جمع آمدہ و سم گشتہ
ریش از پس بر آمدہ دم گشتہ

فاسق خوانند مرد مانم پیوست
من بے گنہم خیال شاں ہیں کہ چہ ہست
برمن ز خلاف شرع اے اہل صلاح
جز خمر و لواطت و زنا چیزے ہست

---

(۳) نہ وہ مفلس تھا اور نہ مفلسی کے خیالات کو نظم کرتا تھا۔ اس سے اس کی اُمید ہو سکتی ہے۔ جیسے :

چوں ز آب و گل آفرید صانع ما را
کردہ بہ غم زمانہ قانع ما را
پیوستہ ز مے مرا ہمیں منع کنی
خود دست تہی بس است مانع ما را

(۴) وہ قصیدہ گو شاعروں کی طرح بھٹئی یعنی مدّاحی سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں کرتا، جیسے :

اے کردہ ز لطف و قہر تو ضع خدا
در عہد ازل بہشت و دوزخ برپا
بزم تو بہشت است و مرا جرمی نیست
چوں است کہ در بہشت رہ نیست مرا

(۵) متغزلانہ شاعری اس کا نصب العین نہیں۔ لہذا وہ اف[illegible] رباعیاں نہیں کہتا۔ یا حسن کے خارجی اوصاف کی طرف توجہ بھی نہ[illegible] جیسے کہ یہ رباعیاں :

آں بت کہ دلم زہجر او زار شدہ است
او جائے دگر بہ غم گرفتار شدہ است
من در طلب علاج خود چوں کوشم
چوں آنکہ طبیب ماست بیمار شدہ است

اس

لعل تو مئے مذاب و ساغر کان است
چشم تو پیالہ و شرابش جان است
آن جام بلوریں کہ نمے خنداں است
اشکے است کہ خون دل درو پنہاں است

بر روئے تو زلف را اقامت ہوس است
سر فتنۂ روم را قیامت ہوس است
زا بروئے تو محراب نشیں شدہ چشمت
آں کافر مست را امامت ہوس است

اور جب یہ نہیں تو پھر حسن سے ظلموں کے گلے شکوے کرنے لگا ہے،
جیسے: روزے کہ بود اذا السماء انشقت
روزے کہ بود اذا النجوم انکدرت
من دامنِ تو بگیرم اندر عرصات
گویم صنما بائی ذنبٍ قتلت

الفاظ کے گورکھ دھندے اس کے مجموعۂ رباعیات کے شایانِ شان نہیں اور خیام کبھی اس قسم کی رباعیات نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ متقدمین میں ہے اور متقدمین کے یہاں یہ آورد کی شان۔ یہ مراعات النظیر۔ یہ ضلع جگت نہیں ہوتا:

نفست بہ سگ خانہ ہمی ماند راست
جز بانگ میاں تہی ازو ہیچ نخاست
رو بہ صفت است خواب خرگوش دہد
آشوب پلنگ دارد و گرگ غاست

اس کے مجموعے میں ناصحانہ رباعیاں بھی ہیں۔ مگر ان کا ایسا
انداز ہے جو ہر واعظ اور ناصح کے بس کی بات نہیں۔ اس
انداز بیان کو اس کے طرز بیان میں دخل نہیں ہے:

در کوئے نیاز ہر دلے را دریاب
در کوئے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبۂ آب و گل بیک دل نرسد
کعبہ چہ روی برو دلے را دریاب

ہر گہ کہ غمے ملازم دل شودت
یا قصۂ کار خویش مشکل شودت
حال دل دیگرے بہ باید پرسید
تا خوش دلی تمام حاصل شودت

وہ مذہبی عقاید کا عوام کی طرح ذکر نہیں کرتا۔ اور نہ ان لوگوں
کی طرح اپنے گناہوں کی آمرزش اور مغفرت کی دعائیں مانگنا اس
شعار ہے بلکہ جب تک حکمت و فلسفہ کی آمیزش اس میں نہیں ہے

وقت تک وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا:

ساقی قدحے کہ ہست عالم ظلمات
جز روئے تو نیست در جہاں آب حیات
از جان و جہاں و ہر چہ در عالم ہست
مقصود توئی و بر محمد صلوات

یک یک ہنرم بین و گنہ دہ دہ بخش
ہر جرم کہ رفت حسبۃً للہ بخش
از باد فنا آتش گیتی مفروز
ما را بسر خاک رسول اللہ بخش
اے دل مے و معشوق مکن در باقی
سالوس و ہا کن و مکن رزّاقی
گر بیر احمدی خوری جام شراب
زاں حوض کہ مرتضاش باشد ساقی

دعائے مغفرت بھی کرتا ہے لیکن اس طرح کہ معلوم ہو ایک حکیم اپنے لیے
کرتا ہے۔ وہ توبہ بھی کرتا ہے مگر اس طرح نہیں:

اندیشۂ جرمم چو بخاطر گزرد
آز آتش سینہ آبم از سر گزرد
لیکن شرطے است بندہ چوں توبہ کند
مخدوم بہ لطف از سر آں در گزرد

یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی خیام سے اُمید نہیں ۔ مگر آج کے نام نہ
مجموعے میں اس قسم کی بہت سی رباعیاں شامل ہیں جن پہ ایک
گہری نگاہ ڈالی جائے گی ۔ اس وقت اسی اختصار پر بس
جاتی ہے ۔
